نیازی قبیلے کی داستان
IDRIS
ضحاک شاہ ایران تا کرکٹر عمران خان

نیازی قبیلے کی داستان

(از ضحاک شاہِ ایران تا ڈاکٹر عمران خان)

از

غلام اکبر ملک ۔ نور محمد خان رازی

تحقیق و ترتیب ـــــ شجرہ ہائے نسب

محمد رمضان ملک

معاون

صوفی جہان خان نیازی

العقاب پبلیکیشنز
۳۰۔ سی ون، سوک سنٹر مون مارکیٹ سپر پلازہ، فیصل ٹاؤن لاہور
فون: ۰۴۲-۵۱۶۰۷۸۸-۵۱۶۰۰۳۳

ادارہ تحقیقاتِ نسب ۴۳۵/بی فیصل ٹاؤن لاہور

Scanned by CamScanner

اشاعت اوّل ــــ اکتوبر ۱۹۸۸ء

تعداد ــــ ایک ہزار

قیمت ــــ 300/-

Rs 300

طابع ــــ غلام اکبر ملک، ادارۂ تحقیقاتِ نسب

۴۳۵ - بی - فیصل ٹاؤن لاہور
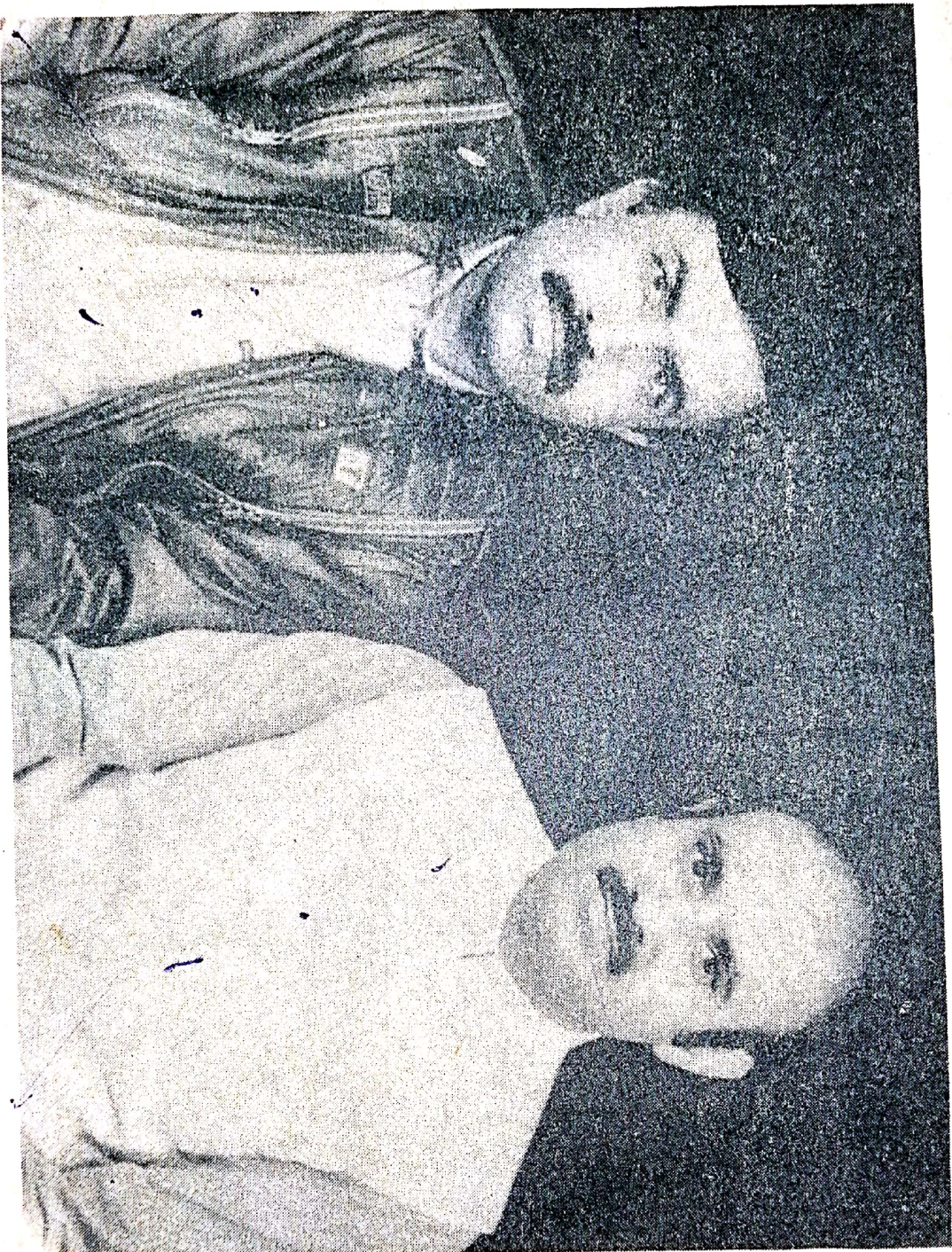
غلام اکبر ملک   نور محمد خان رازی

انتساب

دنیائے کرکٹ کے بے تاج بادشاہ
عمران خان نیازی کے نام،

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

مقدّمہ

برِصغیر پاک و ہند اور افغانستان میں بسنے والی قوموں کے حسب و نسب یا ان کی اصل کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ عہدِ ماضی میں یہاں مختلف الاصل اقوام آپس میں اس قدر مخلوط ہوئی ہیں اور انہوں نے ایک دوسرے کی رنگت، جسمانی خد و خال، عقائد و مذاہب، تہذیب و تمدّن اور اخلاق و رسوم میں ایسی زبردست تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں کہ آج اِن میں سے کسی ایک قبیلے یا قوم کے باقیات کی کھوج لگانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

مقامی علماء اور مؤرخین کے علاوہ یورپ کے مستشرقین و محققین نے بھی یہاں کی قوموں پر خاصا تحقیقاتی کام کیا ہے، جو کتابوں کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اِن سب لوگوں کا یہاں کی ہر قوم کی اصل کے متعلق اپنا اپنا الگ نظریہ ہے۔ ہم اِن تمام مصنّفین کی کاوشوں کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہیں اور اِن کی

گراں قدر تحقیقات کی از حد قدر کرتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان بیشمار نظریات کی بھول بھلّیوں میں کھو جانے والے قاری کو راہِ منزل سجھائی نہیں دیتی۔

یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ گذشتہ صدی کے دوران تحقیق و جستجو کا جو کام ہو چکا ہے اور اس کے نتیجہ میں عہدِ ماضی کی تاریخ و تمدّن کے جتنے گوشے ہمارے سامنے آ چکے ہیں، اِس سے قبل کے مؤرخین و محققین نے اِس کا عشرِ عشیر بھی نہیں کیا تھا۔ موجودہ سائنسی دور کا مہذّب اور بیدار مغز انسان زمین کی تہیں اُلٹ رہا ہے، پہاڑوں کے بخیئے اُدھیڑ رہا ہے اور سمندروں کی گہرائیوں میں پہنچ کر عہدِ رفتہ کی اِن مدفون تہذیبوں کو کھود کر ہمارے سامنے لا رہا ہے۔ جن کی داستانیں اب قصّۂ پارینہ بن چکی ہیں۔ اِس کے باوجود دورِ وحشت کی اقوام کے باقیات کی تلاش کا کام ہنوز تشنۂ تکمیل نظر آتا ہے۔

اِس تشنگی کی حقیقی وجہ شاید یہی ہو کہ یہاں کی مختلف الاصل اقوام کو صرف ان کی رنگت، ظاہری خدوخال، رسوم و رواج یا تہذیب و تمدّن کے ذریعے پہچاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اِن قبائل کی قومی و ملّی روایات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک کسی قوم یا قبیلے کو محض چہرے مُہرے کے نقوش، عادات و خصائل اور تہذیب و تمدّن کی بنیاد پر دوسری قوموں اور قبیلوں سے ممیّز کرنا اتنا آسان کام نہیں جتنا بظاہر نظر آتا ہے۔ نسبی پہچان کے لئے محض اسی معیار پر انحصار، دنیا کی کسی بھی قوم کے لئے بالعموم اور خطۂ پاک و ہند اور افغانستان

کی اقوام کے لئے بالخصوص غیر مناسب بلکہ غیر موزوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسلیں کوئی جامد یا غیر متحرک وجود نہیں ہوتیں۔ نسل کے اندر اور نسل کے باہر کا اختلاط نیز طبعی اور ثقافتی ماحول کی نت نئی تبدیلیوں سے مطابقت کا عمل مسلسل نئے نقوش اور متغیر ثقافتوں کے ظہور کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

انسانی توارث میں تقریباً ہر قابلِ پیمائش یا قابلِ مشاہدہ نقش مثلاً رنگت یا ناک کی بناوٹ وغیرہ کا تعین نسلی جرثوموں کے ایک پیچیدہ نظام پر مبنی ہوتا ہے۔ لیکن دو نسلوں کے اختلاط کی صورت میں ممکنہ تغیرات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بھی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ اور یہاں کی اقوام تو ہیں ہی مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے حملہ آوروں کا ملغوبہ۔

حقیقتاً یہاں کی کوئی قوم بھی یہ دعوٰی نہیں کر سکتی کہ اس میں کسی دوسری نسل کا میل نہیں ہوا۔ آریوں سے لے کر مسلمانوں تک بھانت بھانت کے لوگ دنیا کے جانے کس کس گوشے سے اُٹھ اُٹھ کر یہاں آتے رہے۔ اُن کے طوفانی ریلے اپنے پیشروؤں کو مسلسل مغلوب کرتے رہے اور پھر انہیں میں رچ بس کر جذب ہوتے رہے۔ یہ انسانی دھارے اپنے ساتھ رنگ رنگ کے خدوخال اور مذہبی و تہذیبی ورثے لاتے رہے۔ چنانچہ اب اتنا اختلاط ہو چکا ہے کہ محض چہرے مُہرے کے نقوش اور تہذیب و تمدّن کو بنیاد بنا کر ان پر تحقیق کرنے والا بار بار دھوکہ کھائے گا اور کسی قابلِ اطمینان نتیجے پر

کبھی نہیں پہنچے گا۔ ہماری اس دلیل کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پاک و ہند اور افغانستان کی اقوام کے تاریخی پس منظر پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی جائے۔

ارضِ پاک و ہند ابتدائے آفرینش ہی سے ایک ایسا محفوظ اور قدرتی قلعہ رہا ہے جس کے تین اطراف میں تو سمندر ہے اور چوتھی سمت میں کوہ ہمالیہ کی سر بفلک چوٹیوں کی ناقابلِ تسخیر دیوار ہے۔

دورِ وحشت میں یہ خطہ سیاہ فام اقوام کا مامن و مسکن تھا اور شاید یہی قدیم الایّام حبشی لوگ اس خطۂ ارض کے اصل مالک و مختار تھے۔ اِن سیاہ فام باشندوں کی بھی دو مختلف قومیں یہاں پر آباد تھیں۔ ان میں سے جو باشندے ہند کے وسطی حصّہ سے لے کر اس کے مشرقی کونے تک قابض تھے، اُن کا رنگ سیاہ، بال گھنگریالے، چہرے چپٹے اور قد کوتاہ تھے۔ اس کے علاوہ جو باشندے ہند کے جنوبی اور جنوب مشرقی حصّے میں بود و باش رکھتے تھے، اُن کے نتھنے چوڑے، زُلفیں سیدھی اور قد دراز تھے۔ رنگت کے لحاظ سے یہ بھی سیاہ تھے۔

دورِ وحشت کے یہ لوگ صدیوں تک سرزمینِ پاک و ہند کے بلا شرکتِ غیرے مالک و مختار رہے ہیں۔ یہ لوگ غیر متمدّن اور وحشی تھے، جن کا مسکن پاک و ہند کے پہاڑ اور جنگلات تھے۔ ان وحشیوں کے باقیات اب بھی ہندوستان میں گونڈوانہ اور نیلگری کی وادیوں میں پائے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ موجودہ پاکستان میں مصلّی، چوڑے چمار، میراثی اور ڈُوم بھی اِس قدیم

سیاہ فام قوم کے اخلاف ہیں، جو کبھی برِصغیر پاک و ہند کی اصل مالک و مختار تھی اور جس کا خمیر اسی سرزمین کی خاک سے اٹھایا گیا تھا۔ ان کے اوّلین اجداد وہ قدیم سنگی دَور کے کالے جنگلی لوگ تھے جو عموماً غاروں میں رہتے تھے۔ جنگلی پھلوں اور شکار پر گذارہ کرتے تھے۔ کاشتکاری سے ناآشنا تھے۔ پتھر، ہڈی اور لکڑی سے بھدّے ہتھیار البتہ بنا لیتے تھے۔ وہ لوگ جسم کو پتوں اور چیتھڑوں سے ڈھانپنے لگے تھے۔ تاہم عمومی طور پر لباس اور سترپوشی سے بے نیاز تھے۔ اِن میں مُردوں کی تدفین کا رواج نہ تھا۔ میّت کو یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ چاہے کیڑے کھائیں یا جانور۔ پھر ارتقائی عمل نے انہیں آہستہ آہستہ لوہے کا استعمال، مکان بنانا، جانور پالنا، کاشتکاری کرنا اور برتن بنانا سکھا دیا۔ ہوتے ہوتے انہوں نے آگ جلانا، کھانا پکانا، تصویر سازی اور قبرسازی بھی سیکھ لی۔ پھر اِن لوگوں میں اَجداد کی رُوحوں کی پرستش کرنے کا رواج آیا۔ اور بعد ازاں ناگ دیوتا کی پُوجا ان کے مذہب کی ایک نمایاں علامت بن گئی۔

اَن گنِت پُشتوں تک یہ لوگ دنیا کی دوسری تہذیبوں سے کٹی ہوئی ایک محدود زندگی گزارتے رہے۔ کیونکہ باہر سے آنے والوں کی ابھی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ کُرّۂ ارضی کے مختلف گوشوں میں پھیلی ہوئی انسانی آبادیاں ابھی نقلِ مکانی کے مُوڈ میں نہ تھیں۔ کیونکہ ان کے اپنے مساکن ان کی گزر بسر کے لئے کافی تھے اور نہ ہی ان کی تعداد ابھی اتنی بڑھی تھی کہ آبائی زمین ان کے لئے تنگ ہو جاتی اور انہیں نئی چراگاہوں کی تلاش میں نکلنا پڑتا۔ پھر برِصغیر میں داخلہ بھی اتنا آسان نہ تھا۔ جنوب میں بحرِ ہند کی طوفانی لہروں اور شمال میں کوہ ہمالیہ کی سربفلک

دیوار نے اسے ایک قلعے کی شکل دے رکھی تھی۔

لیکن جلد ہی وہ وقت آگیا جب باہر سے آنے والوں نے اس قلعہ کے اُن دو دروازوں پر آ دستک دی جو دستِ قدرت نے دیوارِ ہمالہ کے دونوں سروں پر بنا رکھے تھے۔ مشرق میں برہم پتر اور مغرب میں دریائے کابل کی گھاٹی نے وہ راستے مہیّا کر رکھے تھے جنہیں ایشیائی فاتحین کی فوجوں نے یکے بعد دیگرے اختیار کیا۔ ان میں اوّل الذکر راستہ بابِ تورانی اور ثانی الذکر بابِ آریہ کہلاتا ہے۔

سب سے پہلے بابِ تورانی سے ایک قوم اس ملک میں داخل ہوئی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق منگولی نسل سے تھا۔ یہی لوگ ہندوستان میں داخل ہونے والے پہلے اجنبی حملہ آور تھے۔ ان حملہ آوروں کو آج کی تاریخ زرد فام تورانیوں کے نام سے یاد کرتی ہے۔ اِن زرد فام حملہ آوروں نے یہاں کے سیاہ فام وحشیوں کو بہت جلد زیر کر لیا اور انہیں اپنا محکوم بنا لیا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ زرد فام اور سیاہ فام قومیں آپس میں گھُل مِل گئیں۔ اِس اختلاط نے اِن لوگوں کے رنگ اور خدوخال ہی میں تبدیلیاں نہیں کیں بلکہ اِن دونوں قوموں نے ایک دوسرے کے رسم و رواج اور مذہبی اقدار پر بھی دور رس اثرات چھوڑے اسی اختلاط سے دراوڑی قوم کا ظہور ہوا جو تاملوں، تلنگوں اور سنتھالوں کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ زرد فام اقوام کا زیادہ اثر برہم پتر کی گھاٹی میں نظر آتا ہے۔ آسام کے باشندے اسی زرد فام نسل سے ہیں۔ بنگالیوں میں بھی زرد فام دھارے کا اثر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ناگا اور میزو قبائل بھی انہیں کے اخلاف ہیں۔

اس کے بعد ہندوستان پر دوسرا حملہ تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح میں بابِ آریہ

کے راستے سے ہوا۔ یہ حملہ آور قوم وسطِ ایشیا سے اُٹھ کر آئی تھی۔ جب یہ ترکی النسل لوگ جو خود کو آریہ کہتے تھے، شمالی ہند میں داخل ہوئے تو ان کے مدِّ مقابل غیر مہذب اور وحشی سیاہ فام باشندے نہ تھے بلکہ متمدّن اور مہذب تورانی تھے جنہوں نے مجرائے سندھ اپنے تصرّف میں لے رکھا تھا۔ یقیناً آریاؤں کے ان تورانیوں سے زور دار معرکے ہوئے ہوں گے۔ لیکن آریہ حملہ کوئی ایک طوفانی لہر نہ تھی بلکہ وہ تو ایک سیلِ رواں تھا، جس کے طوفانی دھارے مقامی مدافعت کے ہر بند کو بہا کر لے گئے اور یوں آریہ آہستہ آہستہ یہاں کے مقامی باشندوں کو مغلوب کر کے ہندوستان پر اپنے تسلّط کو مضبوط کرتے گئے۔ اس طرح سرزمینِ ہندو پاک میں آریائی دور کا آغاز ہوا۔

گو آج ماضی کی یہ قد آور، گوری اور خوبصورت قوم یہاں کے مقامی قوموں میں مخلوط و مدغم ہو چکی ہے۔ تاہم اس دلکش قوم کی جھلک یہاں کے افغانوں، پٹھانوں اور راجپوتوں میں نمایاں نظر آتی ہے۔

۳۲۷ سنہ قبل مسیح میں یونانی فاتح سکندر المقدونی نے بابِ آریہ عبور کیا۔ یہ پہلا حملہ آور تھا جس کا تعلق ترکستان اور ایران کے بجائے یونان سے تھا۔ اگرچہ اس کی فوج میں بھی اکثریت ایرانیوں ہی کی تھی۔ یہ حملہ پنجاب تک محدود رہا۔ سکندرِ اعظم گو آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح پلٹ گیا۔ تاہم پنجاب کی مقامی آبادیوں پر اس حملہ کے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور مرتب ہوئے ہونگے۔

چوتھی صدی عیسوی تک بابِ آریہ سے مختلف نسلی ریلے آتے رہے، جن میں پارتھی، ساکا اور کشان شامل تھے۔ یاد رہے کہ ماسوائے سکندر المقدونی

کہ یہ سب لوگ وسطِ ایشیاء (موجودہ روسی ترکستان) کے باشندے تھے۔

لیکن اب ایک نیا ریلا آیا۔ نو واردوں کی یہ لہر پانچویں اور ساتویں صدی عیسوی کے درمیان ہند میں داخل ہوئی۔ یہ حملہ آور سفید ھُن تھے۔ انہیں یونانی اور رومی مؤرخوں نے افتالی یا چیونی لکھا ہے۔ وسطِ فارس میں انہیں خیون یا خیان کہتے تھے۔ عرب اور ایرانی مؤرخین نے ان کا ذکر بطور ھیتل یا ھیاتلہ کے کیا ہے۔ یہ بھی ترکی الاصل لوگ تھے۔ جن میں منگول خون کی آمیزش تھی۔ چوتھی صدی عیسوی میں اوار سلطنت عروج پر تھی جس کا مرکز منگولیا تھا۔ یہ افتالی ان کے باجگزار تھے اور انہیں کے غلبہ سے دب دبا کر جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ خاگان یا خان دراصل آوار بادشاہ کا لقب تھا جو بعد ازاں ان افتالیوں نے اپنا لیا۔ اگرچہ یہ ایک الگ قوم تھی ۴۵۵ء میں انہوں نے گندھارا پر قبضہ کر لیا۔ ان ھُنوں کے ساتھ ایک ماتحت امدادی قبیلہ گرجر تھا۔ جو اب گوجر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ افتالی خون کی غالب آمیزش میدانی افغانوں مثلاً یوسف زیئوں نیز خلجیوں میں پائی جاتی ہے۔ تاہم ان کے زیادہ خالص اخلاف ابدالیوں کی صورت میں موجود ہیں۔ پنجاب میں افتالی نقوش اور خد و خال جاٹوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

برِصغیر پاک و ھند پر مسلمانوں نے پہلا باقاعدہ حملہ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی کمان میں سندھ کے راستے سے کیا اور جلد ہی سندھ بشمول ملتان ان کے زیرِ نگیں آ گیا۔ نتیجتاً عرب مسلمانوں کے کئی خاندان ملتان اور سندھ میں مستقلاً آباد

ہو گئے۔ ھند کی کئی قوموں میں ان عرب نو آباد کاروں کا خون شامل ہے۔ خصوصاً یہاں کے سیدوں، علویوں اور قریشیوں میں اس خون کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔

باب الاسلام سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہونے والے عرب فاتحین سے پہلے ہی خلافت حضرتِ عثمانِ غنی رضؓ اور خلافت حضرت علی رضؓ کے دور میں مُسلم فاتحین خراسان، سیستان، قہستان، طوُس، سرخس، ہرات، باد غیس، غرجستان، مرو، بلخ اور کابل کے علاقے فتح کرکے اسلامی سلطنت میں شامل کرچکے تھے اور ان کے لشکر خراسان کی طرف سے موجودہ بنوں تک آ پہنچے تھے۔
۴۴ھ بمطابق ۶۶۵ء دورِ امیر معاویہؓ میں بقولِ بلاذری مہلب بن ابی صفرہ نے ملتان اور کابل کے درمیان واقع شہروں بنّہ اور لاہور پر حملہ کیا۔ یاد رہے کہ لاہور سے مُراد لاہور خورد ہے جو پشاور اور ھُنڈ کے نواح میں کابل تا ملتان براستہ پشاور شاہراہ پر واقع ہے۔ اس معرکے کا ذکر الازدی نے اپنے اس شعر میں کیا ہے ؎

اَلَم تَرَ اَنَّ الازدَ لَیلَۃَ بُیِّتُوا
بِالبَنَّۃِ کَانُوا خَیرَا جَیشِ المُھَلَّبِ

ترجمہ:۔ دیکھا نہیں کہ اَزدیوں نے جس رات بنّوں میں شبخون مارا، وہی لشکر مھلب کے بہترین تیغ زن تھے۔

مُسلمانوں کے دوسرے باقاعدہ اور دیرا اثر حملوں کا آغاز بابِ آریہ سے گیارھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ یہ فاتحین نہایت مختلف الاصل تھے۔ ان

یں عرب، ایرانی، افغان، ترک اور مغل ملے جلے تھے۔ انہوں نے ہند کی اقوام کو جو پہلے ہی مخلوط ہو چکی تھیں اور بھی مخلوط کر دیا۔

اب ذرا افغانستان پر بھی ایک نگاہ ڈال لی جائے جو برِصغیر میں آنے والے تمام نوواردوں کی گزرگاہ ہونے کے علاوہ ہمارے موضوعِ بحث قبیلے کی جنم بھومی بھی ہے۔

وہ علاقہ جو آج افغانستان کے نام سے دنیائے جدید کے نقشے پر ابھر چکا ہے اور جہاں کے باشندے بحیثیتِ مجموعی افغان کہلاتے ہیں، عہدِ قدیم میں کبھی بھی واحد اور متحدہ ملک کی حیثیت کا حامل نہیں رہا۔ بلکہ ماضی قریب یعنی اٹھارویں صدی عیسوی تک دنیا میں افغانستان نام کا کوئی ملک نہ تھا اور اس کے مختلف حصے پڑوسی ملکوں کے مشمولات میں سے تھے۔ مشرقی افغانستان جس میں پکتیا اور اس کے ملحقہ علاقے شامل ہیں، ہمیشہ سے برِصغیر پاک و ہند کا حصہ رہا ہے۔ اس کے شمالی اور شمال مغربی علاقے تاریخ میں ترک علاقوں کے طور پر معروف رہے ہیں۔ اور جہاں تک مغربی اور جنوب مغربی بلکہ وسطی افغانستان کا تعلق ہے، شروع سے ہی سلطنتِ ایران کا جزوِ لاینفک رہا ہے۔ یوں افغانستان کا مرکزی نقطہ تین اطراف کی مختلف النسل قوموں کے نقطۂ اتصال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ افغان قوم کن کن نسلی وحدتوں سے ترکیب پا کر وجود پذیر ہوئی ہے۔

قدیم تاریخ بتاتی ہے کہ افغانستان کے مشرقی علاقے برِصغیر کا حصہ ہونے کی بناء پر ابتداً دورِ وحشت کی انہیں اقوام کا مسکن رہے ہیں جو قدیم ہند کے اصل باشندے کہے جاتے ہیں اور انہیں کی طرح عرصۂ دراز تک شمال

مغربی دنیا سے جُدا محدود زندگی گزارتے رہے۔ حتیٰ کہ نئی زمینوں اور چراگاہوں کی تلاش میں آریوں نے ادھر کا رُخ کیا۔ یہ لوگ آریائی حملوں کا ابتدائی نشانہ بنے اور نتیجتاً ان میں سے اکثر تو مارے گئے اور کچھ ھند کی مشرقی وسعتوں میں جا چھُپے لیکن قلیل تعداد ایسی بھی تھی جو ان نو واردوں میں جذب ہو گئی اور اس طرح یہاں ایک نئی دوغلی قوم نے جنم لیا جو قدیم قندھاری کہلاتی ہے۔

جہاں تک افغانستان کے شمالی، شمال مغربی، مغربی، جنوب مغربی نیز وسطی علاقوں کا تعلق ہے، ہمیں اس بات کا کوئی علم نہیں کہ یہاں ابتداً ترکوں یا ایرانیوں کے علاوہ بھی کوئی ایسی قوم رہی ہو جسے خصوصی طور پر انہیں علاقوں کے اصل باشندہ نسل قرار دیا جا سکے۔ بلکہ اگر کسی گروہِ انسانی کو ان علاقوں کے اصل باشندہ ہونے کا شرف حاصل ہے تو وہ ترک ایرانی وفاق کے اسلاف وحشی یاجوج ماجوجی قسم کے سنگی دور کے لوگ ہی ہوں گے۔ جنہوں نے وسطِ ایشیاء کے جنگلوں، پہاڑوں اور وسیع میدانوں میں ارتقاء پایا تھا لیکن زیادہ قرینِ قیاس بات یہی ہے کہ یہ علاقے پردیسیوں کے آباد کردہ ہیں۔ اور یہ پردیسی زیادہ تر اسی وسطِ ایشیاء سے آتے رہے جو بعد میں آریا ویجہ کہلایا۔ وہی آریا ویجہ جو کسی آتش فشاں کی طرح وقفے وقفے سے پھٹتا رہا اور جس کا گرما گرم آریائی لاوہ چاروں طرف اکنافِ عالم میں اپنی نسلی تہیں جماتا رہا۔

بہرحال ۲۰۰۰ ق م تک آریہ کہلانے والے یہ ترک ایرانی لوگ نہ صرف موجودہ افغانستان میں شامل علاقوں میں نفوذ کر چکے تھے۔ بلکہ آگے بڑھ کر برِصغیر میں بھی داخل ہو رہے تھے۔

اب ذرا عہدِ قدیم کی ان ترکتازیوں کا تصور کیجئے جو ایشیائی تاریخ کا معمول بن چکی تھیں۔ وسطِ ایشیاء میں بسنے والے وحشی ترک ہر طرف پاگلوں کی طرح دوڑتے پھرتے تھے۔ دائیں بائیں کی بستیاں اور تہذیبیں ان کے روز روز کی لوٹ مار اور غارت گری کا نشانہ بن چکی تھیں۔ ان لوگوں نے سمندر میں وقفے وقفے سے اُٹھنے والی شوریدہ سر لہروں کی طرح شمال، جنوب، مشرق اور مغرب میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ افغانستان کا علاقہ تو گویا ان کی ایک عام گزرگاہ بن چکا تھا۔ ان کی ایک لہر اگر یہاں سے گذرتی ہوئی سیستان، کرمان اور مکران کی آخری حدود سے جا ٹکراتی تھی تو دوسری کوہِ سلیمان کی دَرّوں سے اُبل اُبل کر برِ صغیر کی وسعتوں میں جا اُتھل پُتھل مچاتی تھی۔ جب اِس شمالی لہر کا زور ذرا تھمتا تو مغرب سے ایرانی لشکر گرد اڑاتے طوفانی بگولوں کی طرح آنازل ہوتے تھے۔ شمال مشرق کے چینی اور منگول بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ موقع ملتے ہی ان کے جِنّاتی غول بھی آنمودار ہوتے تھے۔

ان تینوں اطراف سے آنے والے انسانی ریلوں نے موجودہ افغانستان اور اس کے پڑوسی ھند میں اختلاط کا گویا ایک بازار گرم کر رکھا تھا۔ ہم ان دخل در معقولاتی یاجوج ماجوجیوں کی اس ساری کاروائی کو سرائیکی استعارے "گاؤ ڈاندی" سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اختلاط کا یہ عمل صدیوں تک جاری رہا۔ نہ صرف اس طرح کہ باہر کے لوگ حملہ آور بن کر آتے رہے اور یہاں بستے رہے یا ان علاقوں کو بطور گذرگاہ کے استعمال کرتے رہے بلکہ اس طرح بھی کہ یہاں سے اُٹھ اُٹھ کر چاروں طرف کے

علاقوں پر حملہ آور ہو کر وہاں سے لوگوں کو لونڈی غلام بنا کر اپنے علاقوں میں لاتے رہے اور خود کو نادانستہ یا غیر ارادی طور پر مزید مخلوط کرتے رہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے ہندوستان پر غزنوی حملوں میں سے سلطان محمود کے صرف ایک حملۂ تھانیسر کی مثال ہی کافی ہو گی۔ جس کے دوران کم و بیش دو لاکھ لونڈیاں اور غلام قید کر کے غزنی لے جائی گئیں۔ اسی حملۂ تھانیسر کا ذکر کرتے ہوئے مصنّف تاریخ فرشتہ رقم طراز ہے کہ،

"اس سال غزنی میں اس قدر ہندوستانی صورتیں نظر آئیں کہ لگتا تھا غزنی بھی ہندوستان ہی کا ایک شہر ہے"۔

برصغیر پاک و ہند اور افغانستان کے اس تاریخی پس منظر سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس خطہ میں اتنے گوناگوں اور لاتعداد مختلف النسل لوگ مخلوط ہوتے رہے ہوں وہاں کے کسی ایک قبیلے کا نسب، اس کی رنگت، تہذیب و تمدّن، اخلاق و عادات یا چہرے مُہرے کی ساخت کے ذریعے تلاش کرنا کتنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی اقوام قدیم دراوڑی، زرد فام تورانی، آریائی، ترکی، ایرانی، عربی اور مُغل خصوصیات کا ملغوبہ بن چکی ہیں۔ اور ان میں رنگت، چہرے کے نقوش، تہذیب و تمدّن، عقائد اور اخلاق و عادات کے لحاظ سے کوئی زیادہ فرق باقی نہیں رہا۔

لیکن اس ساری بحث کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس اختلاط سے یہاں بسنے والی مختلف نسلوں کے نسب بھی ہٹ چکے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ذات پات اور نسل و نسب کے بارے میں یہاں کے لوگ ہمیشہ سے محتاط رہے ہیں۔

ہر ذات کے لوگ اپنے آباؤ اجداد کی برتری کے قائل رہے ہیں اور ان سے نسبت پر فخر کرتے رہے ہیں ۔

ایک گورے چٹے افغان اور سیاہ فام دراوڑی عورت کے اختلاط سے اس افغان کی آئندہ نسل کی رنگت سیاہ اور نقوش بھدّے تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کا نسب ہی بدل کر دراوڑی نسل سے مل جائے ۔ اسی طرح نئے عقائد و عادات، تہذیب و تمدّن اور رسم و رواج اختیار کر لینے سے یا کسی خاص علاقے میں بس جانے سے قوموں کے نام تو بدل سکتے ہیں لیکن ان کے نسب نہیں بدلتے ۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے نیازی قبیلے کا نسب تلاش کرنے میں نہ تو رنگت، چہرے کے نقوش اور جسمانی خد و خال کو زیادہ اہمیت دی ہے اور نہ ہی اس کے عقائد، عادات و اطوار، تہذیب و تمدّن یا علاقائی وابستگیوں کو فیصلہ کن عنصر ٹھہرایا ہے ۔ ہماری تحقیق کی بنیاد اور ماخذ تاریخی مواد کے ساتھ ساتھ ایسی مقامی روایات بھی ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں ۔ اور لوگ ان کو از حد عزیز رکھتے ہیں ۔ یاد رہے کہ برِصغیر پاک و ہند اور افغانستان میں بسنے والی نسلیں زمانہ قدیم سے ہی ذات پات کی قائل رہی ہیں اور انہیں کسی بات کی فکر ہو نہ ہو، ذات کی تبدیلی ان کے نزدیک ہمیشہ سے ایک مکروہ فعل خیال کی جاتی رہی ہے ۔ بلکہ یہاں کا معاشرہ تبدیلئ ذات کو کبھی بھی تسلیم نہیں کرتا اور پھر اگر کوئی مؤرخ کسی قبیلہ کی داستان رقم کرتے وقت اس کی اپنی روایات ہی کو قلم زد کر دے تو ظاہر ہے وہ تاریخ کبھی مکمل

نہیں کہلائے گی ۔

اَب رہا یہ اَمر کہ نیازی قبیلے کے خطۂ پاک و ہند میں وَرُود کا اصل مقصد کیا تھا؟ آیا مُلک گیری، لوٹ مار یا توسیعِ اسلام؟ ہمیں اس سے براہِ راست تو کوئی سروکار نہیں۔ کیونکہ بنیادی طور پر ہم نے بس یہی دیکھنا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ نیز برصغیر پاک و ہند کے مسلمان سلطنتوں میں اس جنگجو قبیلے کو کیا کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے؟ باوجودیکہ اُس دَور میں یہ ایک نوخیز قبیلہ تھا اور اس کی افرادی قوت بھی محض چند ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ تاہم اِس بات سے انکار ناممکن ہے کہ یہ بھی افغانستان سے آنے والے اُن قبائل کا ایک حِصّہ تھا، جنہوں نے کُفر و ظُلمت کی اِس سرزمین میں سجدہ ریزی اور توحید کا وہ پودا لگایا جو اب ایک تن آور درخت (پاکستان) کی صورت میں ہمارے سروں پر لہلہا رہا ہے۔ اور اِس کی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں میں ہم ایک پُرامن اور باوقار زندگی کے مزے لُوٹ رہے ہیں ۔

تاریخ اِس بات کی گواہ ہے کہ نیازی قبیلہ کو ہمیشہ بادشاہ گری کی سی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ان لوگوں نے یہاں کے جس حکمران کی مخالفت کی اُسے تاجِ شاہی کو خیرباد کہنا پڑا۔ اور جس شخص کی مدد و اعانت پر کمربستہ ہو گئے اُسے بادشاہ بنا دیا۔ بیرونی حملہ آور اِس قبیلے کے تیور دیکھ کر سرزمینِ ھند میں داخل ہوتے تھے اور یہاں کے تاجدار ان لوگوں کا رُخ دیکھ کر قدم اٹھاتے تھے ۔

آج کے پُرآشوب دَور میں جبکہ مادرِ وطن کی نظریاتی سرحدیں لادینی نظریات کی یلغار کی زد میں ہیں اور جغرافیائی سرحدوں پر اغیار کے فوجی قافلے دستک دے رہے ہیں، ہم اِس اُمید پر تاریخ کا یہ گلدستہ نیازی قبیلے کے فرزندوں کو پیش کر رہے ہیں کہ ممکن ہے اپنے اسلاف کی بھُولی بسری داستان پڑھ کر انہیں یہ بات یاد آجائے کہ ان کے اَجداد اِس خطہ میں اسلام کے سفیر بن کر آئے تھے اور افرادی قلّت کے باوجود وہ تمام ہندوستان کی تاریخ پر چھائے رہے ۔

آج جبکہ نیازی قبیلہ کے جیالے اور بہادر فرزندوں کی نفری لاکھوں میں شمار ہوتی ہے، اگر یہ متحد ہو کر اپنی قوتوں کو غلبۂ اسلام کیلئے وقف کر دیں تو یقیناً مستقبل کے مؤرخین سرزمینِ پاک کو اسلام کے لئے مدینۂ ثانی کی حیثیت سے یاد کریں گے ۔

"مُصنّفین"

نیازیوں کا حسب ونسب

اس حقیقت سے تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ عہد ماضی میں دنیا کی تمام قومیں اور قبیلے آپس میں اس قدر مخلوط ہوتے رہے ہیں کہ آج ہم نسلِ انسانی کی کسی بھی شاخ کو خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، یورپی ہو یا افریقی خالص نہیں کہہ سکتے۔ آج کی دنیا میں بسنے والے انسانوں میں سے کوئی ایک انسان بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کی رگوں میں خالصتاً اور کلیتاً کسی ایک قوم یا قبیلے کا خون گردش کر رہا ہے لیکن اس کے باوجود دنیا کے ہر فرد کا کسی نہ کسی قوم و قبیلے کے ساتھ نسبی تعلق موجود ہوتا ہے اور اسی تعلق کو اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کی پہچان کا ذریعہ بنایا ہے۔

جہاں تک نیازی قبیلے کے حسب ونسب کا تعلق ہے۔ تمام ماہرین انساب اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قبیلہ لودھیوں کی ایک ذیلی شاخ ہے جو افغانستان کے مشہور متی قبائل یا غلجی وثاق کا ایک شعبہ ہیں۔

شجریاتی زبان میں نیازی کا دادا شاہ حسین ترکی النسل سلاطینِ غور کا چشم و چراغ تھا جو مہیا تاریخی مواد کے مطابق ایران کے مشہور پیشدادی بادشاہ ضحاک کی اولاد میں سے تھے۔ یوں نیازی قبیلے کی داستان کا آغاز پیشدادی سلسلہ بادشاہت سے ہوتا ہے۔ اس لئے پیشدادی سلسلہ کے مشہور بادشاہوں کا حال مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

کیومرث

ایران میں سلسلۂ بادشاہت کی ابتدا کیومرث سے ہوتی ہے۔

جیسا کہ فردوسی نے کہا ہے۔

نخستین بزرگے کہ کشور کشود
سر بادشاہاں کیومرث بود

بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے شہر سازی کی ابتدا کی بڑے بڑے شہر اور قلعے تعمیر کروائے اور انسانوں کو شہروں اور قصبوں میں آباد کرکے انہیں معاشرتی زندگی بسر کرنے کا قرینہ سکھایا۔ دماوند اور بلخ اسی کے آباد کردہ شہر ہیں۔ اسی کی یادگاروں میں سے ایک مشہور تہوار "جشن سَدہ" ہے جسے پارسی اب تک ماہِ بہمن کی دس تاریخ کو مناتے ہیں۔

کیومرث کا لقب پیشداد تھا جس کا مطلب ہے سب سے زیادہ عادل۔ چنانچہ اس کے خاندان میں جتنے بادشاہ گذرے ہیں انہیں پیشدادی کہا جاتا ہے۔ کیومرث کے متعلق بعض فارسی علماء کا خیال ہے کہ یہی ابوالبشر آدمؑ ہیں کیونکہ کیومرث کے لفظی معنی ابن الطین (مٹی کا بیٹا یا بغیر ماں باپ کے محض مٹی سے پیدا ہونے والا) کے بتاتے ہیں، لیکن علمائے فارس کا ایک دوسرا گروہ کیومرث کو کیومر بن یافث بن نوحؑ قرار دیتا ہے اور یہی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ دراصل کیومرث اور کیومر ایک ہی نام کی ادائیگی میں تلفظ کی دو صورتیں ہیں۔

تاریخ ابنِ خلدون کے مطابق کیومرث اپنی ضعیف العمری کے زمانے میں اپنے ماں باپ سے الگ ہوگیا تھا اور اپنی اولاد سمیت جبالِ دماوند (طبرستان) میں آکر مقیم ہوگیا تھا۔ اور جلد ہی اس نے فارس اور بابل پر قبضہ کرلیا۔ اور پیشدادی سلسلۂ بادشاہت قائم کیا۔ جو عرصۂ دراز تک نسل در نسل چلتا رہا۔ اس لحاظ سے ایران کے پیشدادی بادشاہ نسلاً اور اصلاً ترک ہیں۔ کیونکہ ترک یافث بن نوحؑ کے بیٹے کیومر ہی کی اولاد ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابنِ خلدون نے لکھا ہے کہ:۔

"حقیقت یہ ہے کہ کومر بن یافث بن نوحؑ
سے ترک پیدا ہوئے ہیں جن میں سے
مشہور قبیلے غوز، خزر، قفچاق، یمک، علام،
شرکس، طغزغز، خطا، الغز، توغزما، اشبان،
ربغاث اور ھیاطلہ ہیں"

کیومرث کا شجرۂ نسب حضرت آدمؑ تک یوں بنتا ہے:

"کیومرث بن یافث بن نوحؑ بن لامک
بن متوشلخ بن اخنوخ (ادریسؑ) بن یرد بن
مہلائیل بن قائن بن انوشؑ بن شیثؑ بن ابوالبشر آدمؑ"

کیومرث پیشداد سے شروع ہونے والے سلسلۂ بادشاہت میں کئی عظیم الشان تاجدار گزرے ہیں۔ فردوسی نے اپنے شاہنامے میں ان کے حالات کو جس رنگ آمیزی اور بلند خیالی سے پیش کیا ہے۔ اس سے انہوں نے

ایران کی قدیم تاریخ میں اساطیری حیثیت حاصل کرلی ہے۔

ہوشنگ

کیومرث کے بعد اسکا بیٹا ہوشنگ پیشدادی تخت پر بیٹھا۔ یہ بادشاہ عدل و انصاف اور دانائی میں اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے پند و نصائح پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام "جاوداں خرد" بتایا جاتا ہے۔ نیز لوہے اور چقماق سے آگ پیدا کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ اسے بھی شہر بسانے کا شوق تھا۔ چنانچہ "سُوس" اسی کا آباد کیا ہوا شہر ہے۔ اس نے اپنی بادشاہت کی حدود کو خوب وسعت دی اور خلیج فارس تک کے علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔

طہمورث

ہوشنگ کا جانشین طہمورث ہوا۔ یہ خدا پرست، عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا۔ اس نے بہت سے جانور مثلاً گھوڑا، کتا اور باز وغیرہ سدھائے کئی شہر تعمیر کرائے۔ مثلاً خراسان میں قہندز (قندوز) اور مرو اور طبرستان میں آمل وغیرہ۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے فارسی زبان کے ابجد اسی نے ایجاد کئے اور فارسی تحریر کو رواج دیا۔ اس کے علاوہ یہی دنیا کا سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے باقاعدہ تاج بنوا کر سر پر رکھا۔ ایک روایت کے مطابق اس کی حکمرانی کی مدت ہزار سال بتائی جاتی ہے۔

جو سراسر مبالغہ پر مبنی ہے۔ بہر صورت ایک دوسری روایت کے مطابق جو زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اس کی مدتِ حکومت صرف تیس سال تھی۔

جمشید

یہ بھی بڑا نامور بادشاہ تھا اُس نے جنگی ہتھیاروں میں جدت پیدا کی، لکڑی اور پتھر کی جگہ لوہے کے ہتھیار بنوائے جن میں تیر اور تلوار شامل ہیں۔ اس کے زمانے میں کئی حرفتوں کا آغاز ہوا مثلاً ریشمی پارچہ بافی، شیشہ، پختہ اینٹیں اور کھیتی باڑی وغیرہ اسی جمشید کے دور میں پہلی مرتبہ شراب تیار کی گئی۔ علمِ موسیقی ایجاد ہوا نیز وقت کو شمسی سالوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس نے کئی شہر بسائے اصطخر شہر اسی کا بسایا ہوا ہے۔ جسے یونانی پرسی پولس کہتے ہیں اس نے کئی سرائیں بھی بنوائیں جن میں سے ایک تختِ جمشید کے آثار آج بھی ملتے ہیں۔ اس کے دور میں علمِ نجوم اور جادو منتر کا بھی دور دورہ تھا کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک پیالہ تھا۔ جس میں وہ دنیا جہان کے اسرار دیکھا کرتا تھا۔ یہ اساطیری پیالہ جامِ جمشید (جامِ جم) کے نام سے آج بھی مشہور ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ شراب پینے کا پیالہ تھا اور شاہِ موصوف پر نشے کی حالت میں چودہ طبق روشن ہو جاتے تھے۔ جامِ جم کے متعلق باقی ماندہ روایات قطعاً مبالغہ آمیزی پر مبنی ہیں اور محض زیبِ داستان کے لئے گھڑی گئی ہیں۔

ضحاک

جمشید کے بعد پیشدادی تخت اس شخصیت کے ہاتھ میں آیا جسے تاریخ ضحاک کے نام سے یاد کرتی ہے یہی ضحاک بعد میں افغانستان کے غوریوں اور متی قبائل کا شجریاتی جدِ امجد قرار پایا۔ فارس کے قدیم مؤرخین اور ماہرینِ انساب کے نزدیک ضحاک، اژدہاک یا بیوراسپ ایک ہی شخص کے نام ہیں۔ اس کا شجرہ نسب یوں نقل کیا گیا ہے۔

" ضحاک بن رس بن ریتکان بن
دیدو رشک بن ریتکان بن افزاوال بن کیومرث

مورخین نے ضحاک کی شخصیت سے کئی دیومالائی داستانیں وابستہ کر رکھی ہیں جو غالباً شاہنامۂ فردوسی سے لی گئی ہیں یہ داستانیں مبالغہ آرائی پر مبنی ہیں بلکہ من گھڑت ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان قصے کہانیوں کے نقل کرنے سے صرفِ نظر کیا ہے۔

ضحاک نے جمشید کی بادشاہت کے خلاف بغاوت کی اور تختِ ایران پر قبضہ کر لیا۔ گو یہ بھی اسی ترکی النسل پیشدادی قبیلے کا ایک فرد تھا جس میں بادشاہت کا سلسلہ چل رہا تھا۔ لیکن آئین بادشاہت کے مطابق اسے جمشید کے بعد بادشاہ بننے کا کوئی استحقاق نہ تھا کیونکہ جانشینی کا جائز حقدار جمشید کا کوئی بیٹا ہوتا یا اسی قسم کا کوئی نسبی وارث ہو سکتا تھا جبکہ ضحاک ایسے کسی رشتے کا حامل نہ تھا۔ وہ جمشید کا دور کا رشتہ دار

بنتا تھا جیسا کہ درج ذیل شجرے سے ظاہر ہے۔

کیومرث
|
افراوال
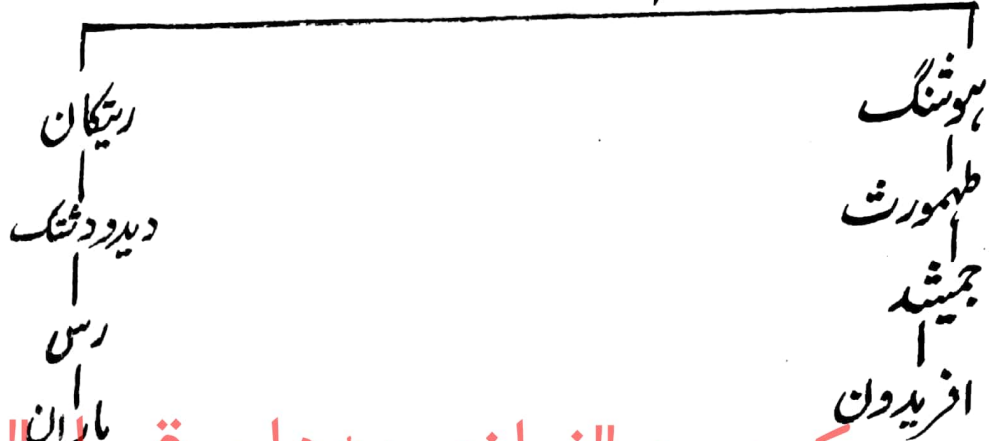
ہوشنگ	ریتکان
طہمورث	دیدودشنک
جمشید	رس
افریدون	ماران
	ضحاک (بیوراسپ)

ضحاک کا بلاکسی استحقاق کے پیشدادی تخت پر غاصبانہ قبضہ بھی بعد میں رعایا کو گوارہ ہو جاتا لیکن اس نے جس خونریزی سے تخت نشینی کا راستہ صاف کیا تھا وہ اس کی ضرورت سے زیادہ عادت اور فطرت ثانیہ کا ایک حصہ بن چکی تھی یہی وجہ ہے اس کا نام تاریخ میں ظلم وتشدد اور سفاکی کی علامت کے طور پر مرقوم ہے۔ عہد رفتہ کا یہ ستمگر طاقت کے زعم میں انسانیت کے جامے سے باہر نکل گیا تھا اور خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا علامہ طبری نے ضحاک کے بارے میں عرب کے قدیم الایام شاعر ذونواس کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے۔

"وکان من الناس الضحاک تعبدہ الجامل والجن فی محاربہا"

یعنی ضحاک ہم انسانوں میں سے ایسا انسان تھا جس کی عبادت

اونٹ والے (روسا) اور جن (بدوی) اپنی محرابوں میں بیٹھ کر کرتے تھے۔ کئی وقائع نگاروں نے تو اس کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ یہی حضرت ابراہیم کے دور کا نمرود تھا گو یہ روایت درست معلوم نہیں ہوتی تاہم ضحاک کے ظلم اور خدائی دعوی کو ضرور ظاہر کرتی ہے کہتے ہیں کہ یہ بھی بڑا موجد بادشاہ تھا۔ چنانچہ سزائے تازیانہ اور دار کشی اسی کی ایجادات ہیں، قتل و غارت گری اس کے محبوب مشاغل تھے۔ ان منفی صفات کی وجہ سے ایرانیوں کے دلوں میں اس کے خلاف ایسی نفرت پیدا ہوئی جو بالآخر ایک آتش فشاں بن کر پھٹی۔

اپنی بادشاہت کے آخری دنوں میں ضحاک نے ہند پر فوج کشی کی اس کی پائیہ تخت سے عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر کاوہ نامی لوہار نے جس کے دو بیٹوں کو ضحاک نے نہایت بے دردی سے سُولی پر چڑھایا تھا اپنی دھونکنی کا چمڑا پھریرا بنایا اور اسے علم کی شکل میں ایک لمبی لکڑی پر نصب کر کے سارے شہر میں پھرایا اور یوں لوگوں کو ضحاک کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔ لوگ جو پہلے ہی ضحاک کے خلاف جلے بھنے بیٹھے تھے جوق در جوق کاوہ لوہار کے اسی جھنڈے تلے جمع ہونے شروع ہو گئے جو بعد کی تاریخ میں درفش کاویانی کے نام سے مشہور ہوا الغرض دیکھتے ہی دیکھتے سارے ایران میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔

جب ضحاک کو اطلاع ہوئی تو وہ فوراً پلٹا لیکن اب حالات بدل چکے تھے۔ اس نے بغاوت کو دبانے کی پوری کوشش کی لیکن ناکام

رہا اور شکست کھانے کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ کاوہ لوہار نے اسے قلعہ آذر بائیجان میں قید کر کے پیشدادی تخت پر اس کے جائز وارث افریدون کو بٹھا دیا۔

فریدون اور بقیہ پیشدادی بادشاہ

فریدون نہایت دانا، قابل اور عظیم الشان بادشاہ تھا۔ اس نے ملک کو سدھارا، عدل قائم کیا اور ملک کی بہتری کے لیے بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ فریدون کے بعد بھی کافی عرصہ تک پیشدادی بادشاہت قائم رہی۔ اس کے بعد منوچہر، نوذر، زاب اور گرشاسپ نے یکے بعد دیگرے حکمرانی کی گرشاسپ آخری پیشدادی بادشاہ تھا۔ اس پیشدادی سلسلہ بادشاہت کے خاتمے پر ایران میں کیانی شاہوں کا دور شروع ہوا۔

درفش کاویانی۔ نشانِ حریت

ضحاک سے نجات پاکر ایرانیوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کی ظالمانہ بادشاہت کے خاتمے کا دن ان کے لیے آزادی اور عید کا دن تھا۔ ایک ایسا دن جب انہوں نے ایک ایسے غاصب کے پنجۂ استبداد سے رہائی حاصل کی تھی جس نے انہیں جبر و استحصال اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ ضحاک سے نفرت، احساسِ غلامی، اس سے چھٹکارے کی تگ و دو اور آزادی کا حصول ایران کی تاریخ کا اہم ترین باب ہے۔ کاوہ لوہار کے

بنائے ہوئے دھونکنی کے پھریرے یعنی دُرفشِ کاویانی کو جس کے سائے میں انہوں نے ضحاک کو شکست دی تھی اہلِ ایران صدیوں تک اپنی آزادی اور حریت کا نشان سمجھتے رہے۔ ان کے دلوں میں اس کا ازحد احترام تھا وہ اس بابرکت پرچم کو فتح کی یقینی علامت گردانتے تھے اور اس کے سائے میں ایرانیوں نے سینکڑوں معرکے سر کئے۔ یہی پرچم بالآخر جنگِ قادسیہ میں مسلمانوں نے ایرانی لشکر کو شکست دے کر چھین لیا تھا۔ اور اتفاق دیکھئے کہ اسی دن وہ قدیم ایران ختم ہو گیا تھا جس کی آزادی کی یہ علامت تھا۔

ضحاک کا انجام اور اس کے لواحقین کا فرار

کہتے ہیں کہ ضحاک پر غلبہ پانے کے بعد فریدون نے اسے کوہ دماوند کے ایک کنوئیں میں الٹا لٹکوا دیا اور اذیت ناک موت مارا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھی جاری کر دیا کہ ضحاک کے خاندان کے تمام چراغ گُل کر دیئے جائیں، چنانچہ انہیں چُن چُن کر قتل کیا جانے لگا۔ اسی افراتفری کے دور میں ضحاک کے کچھ لواحقین افریدون کی سپاہ سے بچتے بچاتے کوہستانِ غور میں آ چھپے۔ پناہ کے لئے یہ نہایت مناسب اور محفوظ جگہ تھی فریدون سے خود کو محفوظ و مامون پا کر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "زومیندیش" یعنی اب اس (افریدون) کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں۔ یہ جگہ اسی مناسبت سے بعد میں مندیش مشہور ہوئی۔

تاریخی روایات کے مطابق ان کے یہاں آنے سے پہلے ان

دور افتادہ اور دشوار گذار پہاڑوں میں کوئی اور انسانی آبادی موجود نہیں تھی البتہ ان کے نواح میں کچھ اسرائیلی قبیلے یا خاندان آباد تھے[1]۔

بہرحال جب فریدون کو معلوم ہوا کہ خاندانِ ضحاک کے کچھ لوگ غور کے پہاڑوں کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو اس نے اپنے دو بیٹوں سلم اور تور کی سرکردگی میں ایک خصوصی فوجی مہم علاقہ غور کی طرف روانہ کی لیکن ضحاک کے یہ لواحقین ان لوگوں کی دستبرد سے محفوظ رہے یوں لگتا ہے کہ ان لوگوں نے پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لے لی تھی اور ابتداً ان غاروں کو ہی اپنا مسکن و مامن بنایا تھا۔

مزید روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اولادِ ضحاک نے وہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا تھا تاکہ ہر قسم کے بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں۔ یہاں آباد ہونے کے بعد اولادِ ضحاک خوب پھلی پھولی اور ان کی آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس لئے کہ یہ علاقہ بیرونی حملہ آوروں کی زد سے محفوظ تھا اور انہیں کسی

---

[1] یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوم اسرائیل کے یہ لوگ ان پہاڑوں میں کیسے پہنچے جبکہ ان کا اصل وطن وہاں سے کوسوں دور ارضِ فلسطین میں تھا۔ اس ضمن میں ہمارے پاس کوئی مستند تاریخی شہادت تو موجود نہیں ہے۔ البتہ افغانی روایات بتاتی ہیں کہ یہ انہیں اسرائیلیوں کے باقیات میں سے تھے جنہیں بخت نصر شاہِ بابل بیت المقدس کو تاراج کرنے کے بعد قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ یہ لوگ عرصہ دراز تک بابلیوں کی قید میں رہے حتیٰ کہ سائرس اعظم ایران میں برسرِ اقتدار آیا اور انہیں رہائی ملی۔ رہائی کے بعد ان میں کچھ تو واپس فلسطین چلے گئے اور کچھ یہیں رہ پڑے۔

قسم کے جانی نقصان کا خطرہ نہیں تھا - ان کی نسل بھی یقیناً عرصہ دراز تک مخلوط ہونے سے محفوظ رہی ہوگی کیونکہ ان کے ارد گرد نزدیکی مقامات پر کوئی دیگر انسانی آبادی موجود نہیں تھی - جو چند اسرائیلی گھرانے ان سے کوسوں دور آباد تھے - وہ بھی قومی عصبیت اور نسلی تفاخر کی بناء پر دوسری قوموں میں شادی کرنا معیوب سمجھتے تھے -

علاقہ غور میں پناہ لینے والے یہی ترکی النسل لوگ جنہیں ضحاک شاہ ایران سے نسلی نسبت کا شرف حاصل تھا بعد میں غوریوں کے نام مشہور رہے ہوئے مستی قبائل جن کے ایک ذیلی قبیلے نیازی کو ہم نے اپنی اس کتاب کا موضوع بنایا ہے انہیں غوریوں کی ایک شاخ ہیں -

---

اولادِ ضحاک یعنی غوریوں کا حال

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے ضحاک کی افریدون کے ہاتھوں گرفتاری کے بعد اس کی اولاد کو جان بچانے کیلئے اضطرا سے راہِ فرار اختیار کرنا پڑی اور ان میں سے کچھ لوگ کوہستان غور کے علاقے میں آ پناہ گزین ہوئے جو بعد میں مینڈیش کہلایا یہ لوگ وہاں پر مستقلاً آباد ہو گئے اور علاقے کی نسبت سے غوری کہلائے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ لوگ خوب پھلے پھولے اور جلد ہی ایک اہم علاقائی قوت کے حامل بن گئے۔ عرصہ دراز تک یہ لوگ غور میں ایک خود مختار قبائلی زندگی گذارتے رہے حتیٰ کہ ان کے قبائلی سرداری نظام نے ایک امارت کی شکل اختیار کرلی جو بعد ازاں بادشاہت میں ڈھل گیا۔ غوریوں کے اس سلسلہ امارت و بادشاہت میں بڑے نامی گرامی امیر اور عظیم الشان حکمران گزرے ہیں جنہوں نے نہ صرف ولایتِ غور بلکہ بامیان، ہادین، طخارستان اور خراسان تک کو زیرِ نگیں رکھا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ پورا افغانستان اور برصغیر پاک و ہند کا ایک بڑا حصہ ان کے قبضے میں تھا۔

یہ لوگ شنسبی سلسلہ کے امیر اور بادشاہ کہلاتے تھے۔ کیونکہ اس سلسلے کے بانی کی عرفیت شنسب (شاہ نسب) تھی۔ کہتے ہیں کہ شنسب نے جناب علیؓ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا تھا اور آپؓ نے ہی اسے حکومتِ غور کا پروانہ لکھ کر دیا تھا یہی وجہ ہے کہ اہلِ غور اہلِ بیتؓ کے از حد معتقد تھے۔

اب ہم مشہور غوری سلاطین کا حال مختصراً بیان کرتے ہیں۔

امیر فولاد غوری

امیر فولاد غوری ایک نامور اور قابل حکمران تھا اسے پورے غور پر تصرف حاصل تھا۔ جب ابو مسلم خراسانی نے عباسی خلافت کے لئے امویوں کے خلاف خروج کیا تو امیر فولاد نے بھی غوری لشکر کے ساتھ اس کی مدد و اعانت کی تھی اور خلافتِ عباسیہ کے قیام میں مقدور بھر حصہ لیا تھا امیر فولاد غوری نے ولایت غور پر کافی عرصہ کامیاب حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

امیر بنجی نہاران بن درمیش

امیر بنجی نہاران بن درمیش ایک مشہور شنسبی حکمران گزرا ہے۔ یہ خوبرو، خوش خصال اور بڑا معاملہ فہم انسان تھا۔ روایت کے مطابق یہ سب سے پہلا شنسبی حکمران تھا جو بغداد گیا اور خلافتِ عباسیہ سے فرمان اور پرچم حکومت حاصل کیا۔ اس وقت خلیفہ ہارون الرشید سریر آرائے خلافت تھا۔ بعد کے تمام شنسبی ملوک و سلاطین امیر بنجی نہاران کی نسل سے ہوئے ہیں۔

امیر سوری بن محمدؒ

امیر سوری ایک باہمت شنسبی حکمران تھا۔ غور کے بیشتر علاقے اس کے قبضے میں تھے۔ یہ صفاریوں کا ہم عصر تھا۔ اور یعقوب بن لیث نے اسی زمانے میں تگین آباد (الرخج) کے امیر لوبک پر حملہ کیا تھا۔
کہتے ہیں کہ اس وقت تک سارے غوری مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی

کہ دربارِ خلافت کے ایماٗ پر ان پر اکثر حملے ہوتے رہتے تھے۔ تاہم یہ لوگ غور کے اونچے پہاڑوں کی وجہ سے بیرونی تسلط سے محفوظ رہے۔

ملک محمدؒ بن سوری

محمدؒ بن سوری سلطان محمود غزنوی کا ہم عصر اور باجگذار تھا۔ یہ فطرتاً متلوّن مزاج اور عاقبت نا اندیش تھا کبھی وہ سلطان کا اطاعت گذار بن جاتا تو کبھی سرکشی اختیار کرلیتا۔ اور جو خراج مقرر تھا اسے ادا نہ کرتا اس کی سرکشی سے تنگ آکر سلطان محمود غزنوی نے غور پر حملہ کردیا اور اسے گرفتار کرکے غزنہ لے جایا جا رہا تھا کہ راستے ہی میں گیلان کے مقام پر فوت ہوگیا۔

ملک ابو علی بن محمدؒ سوری

ملک ابو علی نیک سیرت اور خوش اخلاق انسان تھا اس کا باپ تو امیر سبکتگین اور سلطان محمود غزنوی سے سرکشی کرتا رہا لیکن ابو علی پورے خلوص سے سلطان کا فرمانبردار رہا جب سلطان محمود نے غور پر حملہ کرکے ملک محمد بن سوری کو گرفتار کرلیا تو اس کی جگہ ملک ابو علی کو حاکمِ غور مقرر کردیا۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں کئی مساجد اور درسگاہیں تعمیر کروائیں۔ سلطان محمود کی وفات کے بعد سلطان مسعود غزنوی کے زمانے میں ملک ابو علی کے بھتیجے عباس بن شیث بن محمد سوری نے بغاوت کرکے اسے گرفتار کرلیا۔ اور خود غور کا مالک بن بیٹھا۔

ملک عباس بن شیث

ملک عباس ایک بہادر مگر ظالم حکمران تھا۔ اہلِ غور نے اس کے ظلم و جور سے تنگ آکر سلطان غزنی رضی الدین ابراہیم سے فریاد کی چنانچہ دادرسی کے لئے جب سلطان نے غور پر لشکر کشی کی تو تمام اہلِ غور سلطانی لشکر سے مل گئے اور ملک عباس کو پکڑ کر سلطان کے حوالے کر دیا۔ سلطان اسے گرفتار کر کے غزنی لے گیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے محمد بن عباس کو حاکم غور مقرر کر دیا۔

ملک محمدؐ بن عباس

محمد بن عباس ایک مہربان، عادل اور اچھی سیرت کا مالک حکمران تھا۔ اس کے باپ نے اہلِ غور پر جو سختیاں کی تھیں اس نے ان کے ازالے کی پوری پوری کوشش کی۔ وہ عالموں کا قدر دان تھا اور غریبوں کی مدد پر ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا۔ محمدؐ بن عباس سلطانِ غزنی کا ہمیشہ مطیع رہا اور باقاعدگی سے خراج دیتا رہا۔

ملک قطب الدین حسن

ملک محمد بن عباس کا جانشین اس کا بیٹا قطب الدین حسن ہوا اسے سلاطینِ غور کا جدِ امجد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ وہ عدل عہد کا پکا اور مہربان حکمران تھا۔ اس نے غور سے فسادیوں کی جڑ کاٹنے پر پورا زور دیا علاقے میں امن و امان کے قیام کو وہ اپنا فرض

اولین سمجھتا تھا - اس کے دورِ حکومت کے آخری دنوں میں کابل کے شمال میں واقع تگاب (علاقہ اجرستان) کے لوگوں نے بغاوت کر دی۔ یہ بغاوت کو فرو کرنے گیا اور دورانِ جنگ، مارا گیا۔

ابوالسلاطین ملک عزالدین

قطب الدین حسن کا جانشین اس کا بیٹا عزالدین ہوا۔ ملک عزالدین ایک اچھا انسان اور گوناگوں اوصافِ حمیدہ کا مالک حکمران تھا۔ نیک سیرت ہونے کے علاوہ خوش عقیدہ بھی تھا۔ سلاطین غزنی کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے رہے۔ اس کے دور تک رؤسائے غور اتنے طاقتور ہو گئے تھے کہ غزنی کے فرمانروا سلطان مسعود نے ملک عزالدین کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا تھا۔

ملک عزالدین کے سات بیٹے تھے جن میں چار بادشاہ ہوئے اور باقی مختلف علاقوں کے امیر رہے۔

ملک سیف الدین سوری

ملک عزالدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین سوری ولایت غور کا وارث بنا اس نے اپنے باپ کے ملک کو بھائیوں میں میں تقسیم کر دیا چنانچہ

ملک الجبال قطب الدین محمد کو ولایت ورشار ملی۔

ملک شہاب الدین محمدؒ خرنک کو مادین کا علاقہ دیا گیا۔

بہاء الدین سام کو خطہ سنگہ ملا جو مینڈیش کی حکومت کا مرکز تھا۔

قلعہ ابرستان علاء الدین حسین (جہانسوز) کے حوالے کیا گیا۔

غور کے شمالی علاقوں پر مشتمل ولایت کشی ملک فخر الدین مسعود کو تفویض ہوئی۔ جب کہ ملک شجاع الدین علاقہ جرماس کا والی مقرر ہوا۔

ملک سیف الدین سوری ایک بہادر، عادل اور مستعد حکمران تھا۔ شنسبی خاندان میں سب سے پہلے اسی نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔

اتفاقاً ملک الجبال قطب الدین اپنے بھائیوں سے جھگڑ کر غزنی میں جا مقیم ہوا جہاں سلطانِ غزنی بہرام شاہ نے کسی غلط فہمی کی بنا پر اسے قتل کرا دیا ملک سوری کو اطلاع ملی تو اس نے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے غزنی پر چڑھائی کر دی اور بہرام شاہ کو شکست دے کر غزنی پر قبضہ کر لیا لیکن جلد ہی بہرام شاہ (جو فرار ہو گیا تھا) نے اہلِ غزنی سے ساز باز کر کے غزنی کا تخت واپس لے لیا سیف الدین کو گرفتار کر لیا گیا اور بہرام شاہ کے حکم سے نہایت ذلیل کر کے سولی پر چڑھا دیا گیا۔

ملک علاؤ الدین حسین جہانسوز

ملک سوری کا جانشین اس کا بھائی بہاء الدین سام والیِ منڈیش ہوا۔ وہ بھائی کا بدلہ لینا چاہتا تھا لیکن موت نے مہلت نہ دی۔ اس نے مرتے وقت غور کی فرمانروائی اپنے بھائی علاؤ الدین حسین والیِ ابرستان

کے سپرد کردی۔ سلطان علاؤالدین نے تخت نشین ہوتے ہی بڑی تیزی سے غزنی پر یلغار کردی۔ زبردست لڑائی کے بعد بہرام شاہ کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو کر عازم ہندوستان ہوا لیکن رستے میں فوت ہوگیا۔ علاؤالدین نے غزنی پر متصرف ہوتے ہی غارتگری کا بازار گرم کردیا حتیٰ کہ شہر کو آگ لگادی گئی جو سات دن تک سلگتی رہی۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ حکم دیا کہ شاہانِ غزنی کے مردے قبروں سے نکال کر جلا دیئے جائیں صرف سلطان محمود، سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی نعشوں کو بیحرمتی سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ علاؤالدین نے غزنی کے علاوہ بست کو بھی تباہ کردیا۔ انہیں ظالمانہ کارگزاریوں کی وجہ سے وہ تاریخ میں جہانسوز کے نام سے معروف ہوا مذہبی لحاظ سے بھی علاؤالدین جہانسوز ایک بدعقیدہ شخص تھا۔ اس نے الموت کے ملحدوں کو اپنے علاقے میں دعوتِ الحاد کی کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔

اس نے اپنے دور میں اپنے بھائی بہاءالدین سام کے بیٹوں غیاث الدین اور معز الدین کو قلعۂ اجرستان میں قید کئے رکھا۔ علاؤالدین نے ۵۵۱ھ میں انتقال کیا۔

سلطان سیف الدین محمدؒ

جہانسوز کے بعد اس کا بیٹا سیف الدین محمدؒ تخت غور پر بیٹھا۔ یہ

ایک اچھا انسان تھا اس نے اپنے باپ کے مظالم کی تلافی کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ علاقے میں خدا ترسی، امن وامان اور عدل وانصاف کو روشناس کرایا وہ ایک اچھا مسلمان بھی تھا۔ اُس نے الموت کے ملحدوں کی بیخ کنی کی اور غور کو قرامطی فتنے سے پاک کیا۔ سلطان سیف الدین محمدؒ نے اپنے چچیرے بھائیوں غیاث الدین محمدؒ سام اور معز الدین محمدؒ سام کو قلعہ اجرستان سے رہا کر دیا۔ ان سے نہ صرف پابندیاں ہٹا دیں بلکہ ان پر خاص مہربانیاں کرکے باپ کی زیادتیوں کا ازالہ بھی کر دیا۔ وہ غزوں کے خلاف ایک لڑائی کے دوران ۱۱۶۳ء میں مارا گیا۔

سلطان غیاث الدین محمدؒ سام

سلطان سیف الدین محمدؒ کے بعد امرائے سلطنت نے اس کے چچیرے بھائی غیاث الدین بن بہاء الدین سام کو تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ولایت غور کا پایۂ تخت فیروزکوہ تھا۔ غیاث الدین کی تخت نشینی کی اطلاع پاکر اس کا بھائی معز الدین بھی جو اپنے چچا ملک فخر الدین مسعود کے پاس بامیان میں رہائش پذیر تھا واپس غیاث الدین کے پاس فیروزکوہ آ گیا۔

غیاث الدین نے سب سے پہلے زمینداور گرم سیر (سجستان) سمیت سارے غور کو زیرنگین کیا اور پھر ہرات کی طرف متوجہ ہوا۔ چند سال بعد

اس نے قادس، کالیون، فیوار اور سیفرود فتح کر لیے۔ اسی اثنا میں اس نے اپنے چچا علاؤالدین کی بیٹی سے شادی کر لی۔ چنانچہ گرجستان، طالقان اور گرزوان بھی اسے مل گئے۔

اس کے بعد غیاث الدین کی فتوحات میں بڑی تیزی آ گئی اور جلد ہی سارا افغانستان اس کے قدموں میں تھا۔

غیاث الدین نے تختِ غزنی اپنے بھائی معزالدین کے حوالے کر کے اسے مشرقی علاقوں کا مالک بنا دیا اور خود فیروزکوہ میں مقیم ہو گیا تاہم کچھ عرصہ بعد وہ ہرات منتقل ہو گیا اور وہیں ۱۱ فروری سنہ ۱۲۰۳ء میں وفات پائی۔

سلطان معزالدین شہاب الدین محمدؒ بن سام غوری

سلطان معزالدین کو سنہ ۱۱۷۳-۷۴ء میں اس کے بھائی غیاث الدین محمد بن سام نے غزنی کے تخت پر بٹھا دیا اور خود غور لوٹ گیا۔

سلطان نے ولایت غزنی میں نظم و ضبط درست کرنے کے بعد برصغیر کی جانب توسیع مملکت کا آغاز کیا۔ اس نے سب سے پہلے ملتان اور اُچ پر قبضہ کیا پھر لاہور پر حملہ کر کے آخری غزنوی حکمران خسرو ملک کو شکست دی اور یوں پورا پنجاب اس کے ماتحت آ گیا

اس کے بعد سلطان راجہ پرتھوی راج والئی اجمیر و دہلی پر حملہ آور ہوا۔

ترائن کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن محمد غوری کو شکست ہوئی۔ بدلہ لینے کے لئے محمدؐ غوری نے اگلے سال یعنی ۱۱۹۲ء میں ہند پر دوبارہ حملہ کیا۔ یہ لڑائی بھی ترائن کے میدان میں لڑی گئی اس دفعہ راجہ پرتھوی راج کو شکست ہوئی اور اجمیر و دہلی سلطان کے قبضے میں آ گئے بعد ازاں اس نے جے چند والئ قنوج کو شکست دے کر بنارس و قنوج بھی قبضے میں لے لئے اور اس طرح شہاب الدین نے سارا شمالی ہندوستان فتح کر لیا ۱۲۰۶ء میں سلطان شہاب الدین غوری کو گکھڑوں کی بغاوت فرو کرنے کے بعد واپسی پر چند باطنی فدائیوں نے جہلم کے قریب دمیک کے مقام پر بحالتِ خواب شہید کر دیا۔

پیشدادی اور غوری سلاطین کے اس مختصر سے تذکرے کے بعد ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ یعنی نیازی قبیلہ کب اور کس طرح وجود میں آیا؟

شاہ حسین غوری اور بی بی متو افغانی کا قصہ

جب خلافت حضرت علیؓ کا دور اختتام کو پہنچا اور حکومت کی باگ ڈور اموی ستمگروں کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے پوری کوشش کی کہ ملت اسلامیہ کو معاذ اللہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے متنفر کر دیا جائے۔ ان کی ریشہ دوانیوں سے محراب و منبر بھی محفوظ نہ رہے، انہوں نے سلطنت اسلامیہ کے فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ جمعے کے خطبے کے دوران تمام جامع مساجد میں علیؓ اور ان کی اولاد پر تبرا کیا جائے لیکن اہل غور نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اور کبھی بھی اس فعل شنیع کے مرتکب نہ ہوئے،

جب اس بات کی خبر شاہان بنو امیہ کو ہوئی کہ اہل غور علیؓ اور اولاد علیؓ کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں تو انہوں نے اپنے مشہور اور سفاک جرنیل حجاج بن یوسف کو ان کی سرکوبی کے لئے حکم دیا۔ حجاج بن یوسف نے ایک فوج روانہ کی جس نے ولایت غور کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسے برباد کر کے رکھ دیا، لیکن اس کے باوجود حجاج بن یوسف لوگوں کے دلوں سے علیؓ اور آل علیؓ کی محبت نکالنے میں ناکام رہا۔

روایت کے مطابق اسی دور بلا خیز میں معز الدین نامی شنسبی بزرگ کے خاندان کو بھی جان بچا کر غور سے نکلنا پڑا، اس افراتفری کے عالم میں اس کا خاندان بکھر کر رہ گیا، خود معز الدین تو بالآخر مدینہ طیبہ جا نکلے اور عمر عزیز کا بقیہ حصہ وہیں گذارا۔ لیکن ان کا نوجوان بیٹا شاہ حسین خاندان سے

بچھڑ کر چھپتا چھپاتا ایک اسرائیلی قبیلے میں جا پناہ گزین ہوا، یہی وہ اساطیری شاہ حسین ہے یعنی بی بی متو کا خوش نصیب عاشق جو بعد میں خلجیوں اور لودھیوں کا جدِّ اعلٰے قرار پایا۔

شاہ حسین نے اسرائیل کے جس قبیلے کے دامن میں پناہ لی تھی۔ اس کا سربراہ شیخ بیٹن نامی بزرگ تھا، شیخ بیٹن اس قیس عبدالرشید کا تیسرا فرزند تھا جس کے متعلق مخزنِ افغانی میں لکھا ہے کہ اس نے فتح مکہ کے موقع پر آنحضرتؐ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا تھا۔ اور حضور پاکؐ نے اسے بطان کا خطاب دیا تھا جس کے معنے لکڑی کا پشتہ یا بالفاظِ دیگر سخت جان انسان کے ہیں۔ قیس عبدالرشید کی اولادوں نے بطان کا لفظ اپنے ناموں کے ساتھ مستقلاً چسپاں کر لیا۔ کچھ مقامی علماء کا خیال ہے کہ آج کا پٹھان اُسی قدیم بطان کی بگڑی ہوئی شکل ہے اس طرح قیس عبدالرشید تمام افغانوں اور پٹھانوں کے جدا مجد قرار پائے (واللہ اعلم)

محققین نے مخزنِ افغانی کی اس بطان والی روایت کی صحت سے انکار کیا ہے ان کے نزدیک یہ افسانہ محض اس لئے تراشا گیا ہے تاکہ افغان اور پٹھان ایک ہی نسل کے لوگ قرار پائیں جیسا کہ افغانوں کا شجرۂ نسب افغنہ بن ارمیاہ بن طالوت کے واسطوں سے یہوداہ بن یعقوبؑ سے ملایا جاتا ہے، بہر حال ہم اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کیونکہ ہماری کتاب کا موضوع یہ نہیں کہ آیا افغان اور پٹھان ایک ہی نسل کے لوگ ہیں یا نہیں بلکہ ہمارا موضوع یہ ہے کہ غورستان کے نواح میں آباد اساطیری افغان

شیخ بہٹن کی بیٹی بی بی متو کی نسل میں سے ظہور پذیر ہونے والے نیازی قبیلے کی اصل کیا ہے ؟

بہر حال جب شاہ حسین نے شیخ بہٹن کے ہاں پناہ لی تو شیخ بہٹن نے اس خوبصورت نوجوان کے چہرے پر سعادت مندی کے آثار دیکھ کر اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ یوں شاہ حسین کا شیخ بہٹن کے گھر میں کھلے بندوں آنا جانا شروع ہو گیا۔

شیخ بہٹن نے ایک غیر محرم کو گھر کا فرد اور رکن تو بنا لیا تھا لیکن ایسا کرتے ہوئے اس نے شاید اس بات کو نظر انداز کر دیا تھا کہ وہ ایک حسین اور نوجوان بیٹی کا باپ بھی ہے۔ جوانی اور ناپختہ کاری نے جلد ہی شاہ حسین کو حسین متو کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر بنا دیا۔ رفتہ رفتہ متو بھی اس کی طرف مائل ہوتی چلی گئی۔ معاملہ بڑھتے بڑھتے خفیہ ملاقاتوں تک پہنچ گیا اور انہوں نے چوری چھپے تنہائی میں ملنا شروع کر دیا۔ تنہائی کی ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ بی بی متو کو حمل ٹھہر گیا۔

جب اس حمل کے آثار بی بی متو کے والدین پر ظاہر ہوئے تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ بی بی متو کی ماں نے اپنے خاوند کو مشورہ دیا کہ ان دونوں کو فوری طور پر رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے کیونکہ یہی ایک طریقہ بدنامی اور ندامت سے بچنے کا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ اسرائیلی قبیلہ قومی عصبیت اور نسلی تفاخر کی بنا پر دوسری قوموں کے لوگوں میں بیٹیاں دینا ازحد معیوب سمجھتا تھا۔ اس وجہ سے شیخ بہٹن

نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں ایک ایسے شخص سے اپنی بیٹی کس طرح بیاہ دوں جس کے حسب و نسب کا مجھے کوئی علم نہیں ہے اس پر بی بی منو کی ماں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ کسی معتمد آدمی کو ولایتِ غور کی طرف روانہ کر دیں۔ جو شاہ حسین کے حسب و نسب کی تحقیق کر لائے۔ چار و ناچار شیخ بھٹن کو اپنی بیوی کی یہ بات ماننا پڑی اور اس نے اپنے گھریلو ملازم کاغدود مراثی کو ولایتِ غور کی طرف بھیجا تاکہ شاہ حسین کے حسب و نسب کی خبر لے آئے۔

اِدھر شاہ حسین پر بھی حقیقتِ حال کھل چکی تھی اور وہ بھی بڑی بے چینی سے کاغدود مراثی کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ القصہ کاغدود مراثی جب ولایتِ غور کے سفر سے واپس آیا تو سب سے پہلے اس نے شاہ حسین سے ملاقات کی۔ شاہ حسین نے جو کاغدود کی واپسی کے انتظار میں ایک ایک لمحہ بے چینی سے گزار رہا تھا اس سے پوچھا کہ کہو کیا خبر لائے ہو؟ کاغدود نے جواب دیا "میں صرف آپ کا حسب نسب ہی معلوم نہیں کر لایا بلکہ اس کی تصدیق و تائید کے لئے سردارانِ اہلِ غور کا ایک پروانہ بھی ساتھ لایا ہوں لیکن یہ سب کچھ شیخ بھٹن کو صرف اسی صورت میں بتاؤں گا۔ جبکہ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ بی بی منو سے شادی کرنے کے بعد میری بیٹی مہی کو بھی اپنے نکاح میں لے لو گے۔ شاہ حسین نے بخوشی اس بات کا وعدہ کر لیا۔ اسطرح کاغدود مراثی نے شیخ بھٹن کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا اور سردارانِ اہلِ غور کا خط بھی پیش کر دیا۔

شیخ بہٹن نے اچھی طرح سے تسلی کر لینے کے بعد بی بی متو کا نکاح شاہ حسین سے کر دیا۔ شاہ حسین نے حسب وعدہ کاغذ ودکی بیٹی مہی کو بھی بعد میں اپنے نکاح میں لے لیا۔

شاہ حسین و بی بی متو کی اولادوں کا ذکر

بی بی متو اور شاہ حسین کے نکاح کے صرف چھ ماہ بعد ان کے ہاں ایک بیٹے کی ولادت ہوئی۔ اسرائیلی قبیلے میں اس بیٹے کا نام "غل زوئی" یعنی "چوری کی اولاد" مشہور ہو گیا۔ موجودہ الفاظ "غلزئی" یا "خلجی" اس غل زوئی کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں۔

غلزئی کے بعد اللہ تعالیٰ نے شاہ حسین کو بی بی متو کے بطن سے ایک اور خوبصورت فرزند عطا کیا جس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ شیخ بہٹن اپنے اس نواسے ابراہیم سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ اور اسے جان سے بھی زیادہ عزیز جانتے تھے انہوں نے اپنے اس عزیز از جان نواسے کی پرورش خصوصی طور پر اپنی نگرانی میں کی۔

ابراہیم بھی بچپن ہی سے بہت ہوشیار اور سیانا تھا۔ عہد طفلی میں ہی یہ بچہ کئی بار ایسی باتیں کہہ ڈالتا کہ بڑے بوڑھے بھی سن کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ بہٹن اپنے اس غیر معمولی ذہانت رکھنے والے نواسے کو اس کے بچپن ہی سے "لوئی دے" یعنی "بڑا آدمی" کہہ کر پکارا کرتے تھے، یہی لفظ "لوئی دے" بعد ازاں بگڑ کر "لودھی" کی شکل

اختیار کر گیا اور ابراہیم کے نام کے ساتھ لفظ لودھی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چسپاں ہو کر رہ گیا۔ موجودہ تمام لودھی قبائل اسی ابراہیم لودھی کی نسل سے ہیں اور نیازی قبیلے کے جد امجد نیازی بھی اسی ابراہیم لودھی کے فرزند ارجمند تھے۔

غلزئیوں اور لودھیوں کے نسب پر تبصرہ

گذشتہ سطور میں بیان کردہ شجریاتی روایت خصوصاً غلزئی والے قصے کی صحت یا عدم صحت کی اصل حقیقت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے گو غلزئی خود بھی اپنی اصل کے متعلق اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم یہ روایت اس بات کی ضرور آئینہ دار ہے۔ کہ "غلزئی اور لودھی جنہیں مجموعی طور پر خلجی یا متی قبائل کہتے ہیں باہر کی نسل کے لوگ تھے جو افغان قبائل میں آکر آباد ہو گئے۔ ان سے مخلوط ہوئے اور پھر آہستہ آہستہ انہیں کی زبان، طور طریقے اور رسم و رواج اپنا کر وہیں کے ہو رہے"

یہاں یہ غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے کہ خلجی اور غلزئی دو الگ الگ قبیلے ہیں جیسا کہ میجر راورٹی کا خیال ہے جسے یہاں کے تمدن کا ماہر مانا جاتا ہے۔ اس نے اپنا سارا زورِ بیان یہ ثابت کرنے پر صرف کر دیا ہے۔ کہ خلجی غیر افغان اور غلزئی افغان ہیں۔ حالانکہ خلجی اور غلزئی ایک ہی لفظ کی ادائیگی کی دو مختلف صورتوں سے زیادہ کچھ نہیں، چنانچہ ان میں سے کسی ایک قبیلے کو افغان اور دوسرے کو غیر افغان قرار دینا درست نہیں ہے۔ گو شجریاتی زبان میں ان قبائل کی ماں بی بی متو کا تعلق افغان قبیلے

سے تھا۔ لیکن شجرۂ نسب ماں کے بجائے باپ کی طرف سے چلتا ہے اور جہاں تک ان کے باپ کا تعلق ہے شجرے کے لحاظ سے اس کے ترکی النسل ہونے میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

تمام مستند مؤرخین بشمول الخوارزمی، اسطخری، بارتھولڈ، بیلیو، سراولف کیرو، اسلم خان جدون، خوشحال خان خٹک اور ظفر کاکاخیل اس بات کے قائل ہیں کہ اصل لفظ غلزئی کے بجائے خلجی ہے جس کے معنی آزاد یا شمشیر زن کے ہیں۔ نیز یہ ترکی النسل لوگ ہیں اور ایران پر حملوں میں سرگرم حصہ لینے کی وجہ سے مغلوب ایرانیوں نے انہیں انتقاماً خلجی کے بجائے غلزئی کہہ کر پکارنا شروع کہ دیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں بھی اسی بات کی تائید کی گئی ہے۔

اب ہم دو تین مستند مؤرخین کے حوالے پیش کرتے ہیں، جن سے نہ صرف ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ غلزئی اور لودھی یعنی متی قبائل ہم نسل لوگ ہیں بلکہ اس کی بھی کہ یہ لوگ نسلاً ترک ہیں،

الخوارزمی اپنی کتاب "مفاتیح العلوم" (۹۷۵ء) میں لکھتے ہیں "ھیاطلہ ایک طاقتور قبیلہ ہے جو طخارستان (شمال مشرقی افغانستان میں بغلان کے اردگرد کا علاقہ) پر حکمران ہیں۔

خلوخ یا خلج کہلانے والے ترک انہیں کے اخلاف ہیں"

اسطخری اپنی تصنیف "کتاب المسالک" (۹۳۲ء) میں لکھتے ہیں۔

"خلج ترکوں کی ایک شاخ ہے جو بہت عرصہ پہلے ملک ہند

اور صوبہ سیستان میں غور کے عقب میں آئے، ترک شکل و شباہت، لباس اور زبان والے یہ لوگ مویشی پالتے ہیں۔"

سراولف کیرو نے اپنی کتاب "دی پٹھان" میں لکھا ہے۔

"خلجی سفید حن یا ھیا طلہ ہیں جو کوہ سلیمان کے علاقے میں ترکوں کے حملے سے کئی سو سال پہلے داخل ہوئے اور شمال سے آنے والی زیادہ قدیم نسل کے نمائندے ہیں۔ غز ترک خواہ وہ سلجوقی ہوں یا ترکمان غزنوی دور میں یا بعد میں آئے جبکہ خلجی وہاں پہلے سے موجود تھے، خلج کی بطور ھیا طلہ توجیہہ دستاویزی ہے۔ اور ان کے ترکی النسل ہونے کا ثبوت ہے۔"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ:۔

"ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے بغیر سرحدی صورت حال اور کرائے کے فوجیوں کا قبائلی پس منظر دیکھے افغانوں اور خلجیوں کو ایک ہی قوم قرار دے دیا ہے۔ حتیٰ کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ جلال الدین خلجی کی زبان کیا تھی؟ آیا خلجی، ترکی، فارسی یا پشتو؟ انہوں نے نہ قدیم حوالے دیئے ہیں نہ ملتے جلتے یا مخالف خصائل بیان کئے ہیں۔ بس یونہی کہہ دیا ہے کہ خلجی ترک نہ تھے اور انہیں افغانوں کے چوکھٹے میں فٹ کر دیا ہے۔"

سراولف کیرو جیسی کی بات سے انکار کرنا از حد مشکل ہے۔ اسی ضمن میں مزید لکھتا ہے کہ:۔

"۱۳۹۸ء میں جب تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو لودھیوں اور شیروانیوں کو لشکر میں شامل کیا۔ اور یہ نام تاریخ میں پہلی بار منظر پر آئے۔ تیمور نے خلجیوں کے جانشین تغلقوں کا زور توڑ کر خاندان سادات کو اپنے نمائندے کے طور پر ہند کا حکمران بنایا ان کے بعد لودھی خاندان، جو خلجی ہی تھے بر سر اقتدار آیا۔"

عباس سروانی نے تاریخ "شیر شاہ" میں لکھا ہے کہ:۔

"بہلول لودھی نے ایک فرمان کے ذریعے افغانستان کے قبائل کو ہندوستان میں آنے اور جاگیروں کے عوض لودھی حکومت کی پشت پناہی کی دعوت دی۔ چنانچہ جو قبائل آئے ان میں لودھی، نیازی، مروت اور بھٹنی قبائل کے علاوہ کچھ سربنی اور کرلانڑی بھی تھے۔"

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ تمام متی قبائل بشمول غلزئی اور لودھی ترکی النسل لوگ ہیں اور نیازی لودھیوں کی ذیلی شاخ کی حیثیت سے متی قبائل کے اسی خلجی و خاق کا ایک اہم جزو ہیں۔ اسی حقیقت کو مختصر شجریاتی کلیئے کے طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:۔

"تمام متی قبائل یعنی غلزئی، لودھی، سروانی، نیازی اور سوری وغیرہ نسل کی النسل غوریوں کی اولاد ہونے کے ناطے ضحاک شاہِ ایران کی نسل سے ہیں جو خاندان پیشدادیہ کے ان فرمانرواؤں میں سے ایک تھا جن کے سلسلۂ بادشاہت کا بانی ابو ترک کیومرث بن

یافث بن نوح ؑ تھا۔"

بی بی متو زوجہ شاہ حسین کا حسب و نسب

افغان ماہرینِ انساب کے مطابق، بی بی متو افغانوں کے جدّ امجد قیس عبدالرشید کی پوتی اور شیخ بیٹن کی دختر تھیں بی بی متو کی تمام اولادیں بشمول لودھی، خلجی، سروانی، نیازی اور سوری وغیرہ بعد میں اپنی ماں ہی کی نسبت سے متی قبائل مشہور ہوئیں۔ بی بی متو کا شجرۂ نسب ابوالبشر حضرت آدم ؑ تک اس طرح نقل کیا گیا ہے :۔

"بی بی متو بنت شیخ بیٹن بن قیس عبدالرشید بن عیص بن سلول بن عتبہ بن نعیم بن مرہ بن جلندر بن اسکندر بن رمان بن عنین بن مہلول بن کرم بن عمال بن حذیفہ بن منہال بن قیس بن عیلم بن اشموئیل بن ہارون بن قمرود بن ابی بن صہیب بن طلل بن لوی بن عامیل بن تارح بن ارزند بن مندول بن افغنہ بن ارمیاہ بن ساؤل (طالوت) بن قیس بن عتبہ بن عیص بن روئیل بن یہوداہ بن یعقوب ؑ بن اسحٰق ؑ بن ابراہیم ؑ بن تارخ بن ناحور بن ساروح بن ھود ؑ بن غابر بن شالخ بن ارفخشند بن سام بن نوح ؑ بن لمک بن متوشلخ بن ادریس ؑ بن یرد بن مہلائیل بن یانفین بن نوش بن شیث ؑ بن آدم ؑ ۔"

بعض محققین و مؤرخین جن میں اکثریت مستشرقین یورپ کی ہے

یہ بات ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ بنی منو کا نسبی تعلق قوم اسرائیل سے ہے۔ کیونکہ یہ لوگ افغانوں کو آریا قوم کے اخلاف بتاتے ہیں۔ قدیم جغرافیہ دان بطلیموس نے بھی تمام خراسان (موجودہ افغانستان) کو ایران میں شامل کر کے اسے آریانہ (آریاؤں کی سرزمین) کا نام دیا ہے۔

لیکن جو علمائے انساب افغانوں کے یہودی النسل ہونے کے قائل ہیں وہ درج بالا شجرہ کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل

تو یہی ہے کہ کوئی ایسا ٹھوس اثری یا تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے جس کی بناء پر موجودہ افغانستان کے تمام باشندوں کو آریائی نسل مان لیا جائے جبکہ ایسے بے شمار شواہد و دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل افغان قبیلے کا تعلق بہر حال بنی اسرائیل سے ہے۔

دوسری دلیل

علم عمرانیات کا یہ ایک مسلمہ اصول رہا ہے کہ اگر کسی قوم یا قبیلے کی اصل کے متعلق کوئی باضابطہ تاریخ نہ مل سکے اور اس کا ماضی تاریخ کے دھندلکوں میں روپوش ہو تو اس قبیلہ کی اپنی روایات میں سے ناممکنات اور بے جا مبالغہ آرائی کو خارج کر کے باقی باتوں کو تسلیم کر لیا جائے۔ کسی ملک یا قبیلے کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، کسی شہر کا گزیٹیئر ملاحظہ فرمائیں آپ کو سرکہیں

یہی طریقۂ کار نظر آئے گا - اب جبکہ افغان قبیلے کی اپنی روایات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ان کا نسبی تعلق قوم اسرائیل سے ہے تو ان لوگوں کی قومی اور ملی روایات کو ٹھکرا کر محض قیاسات اور اندازوں پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے -

تیسری دلیل

موجودہ یہودیوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے سوا کسی اور کا حضرت ابراہیمؑ سے نسبی رشتہ برداشت ہی نہیں کر سکتے، ان لوگوں کا تعصب کوئی ڈھکا چھپا امر نہیں ہے - حد تو یہ ہے کہ یہ لوگ عرب کے عدنانی قبائل کو بھی حضرت ابراہیمؑ کے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل ماننے کو تیار نہیں ہیں - بعینہٖ یہی حال یورپی محققین کا ہے جنھوں نے افغان قبائل کے متعلق نام نہاد تحقیقاتی کتابیں لکھی ہیں - سامی نسل سے ازلی دشمنی اور مخالفت ان لوگوں کے رگ و ریشے میں سمائی ہوئی ہے اور تحقیقات کے نام پر یہ ریشہ دوانیاں کہ افغان قوم اسرائیل میں سے نہیں ہیں اسی ازلی دشمنی کا نتیجہ ہیں -

چوتھی دلیل

افغانوں کی اپنی روایات کے علاوہ مستند تاریخی شہادتیں بھی ہمارے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ (افغان) اپنے وطنِ مالوف، فلسطین سے ان دور افتادہ خطوں تک کس طرح پہنچے ؟

پہلی روایت جس کی تصدیق کتابِ مقدس کے علاوہ دیگر اسرائیلی

روایات سے بھی ہوتی ہے یہ ہے کہ ارضِ فلسطین سے تیسری جلاوطنی کے موقع پر ان کا ایک قبیلہ ان سے الگ ہو کر راستہ بھول گیا تھا اور مشرق کی طرف نکل گیا تھا۔ کتابِ مقدس کہتی ہے۔

"قومِ اسرائیل کا ایک قبیلہ رات کی تاریکیوں میں راستہ بھول کر ان سے جدا ہو گیا اور مشرق کی سمت نکل گیا اور پھر کبھی نہ مل سکا"

دوسری تاریخی روایت جس کی تائید و تصدیق عہدِ قدیم کی تمام مستند اور ماخذ تاریخی کتابوں سے ہوتی ہے یہ ہے کہ بخت نصر شاہِ بابل نے جب ارضِ فلسطین پر فوج کشی کی تو اس نے قومِ یہود کو تاراج کر کے رکھ دیا اور وہاں سے بے شمار یہودیوں کو قید کر کے اپنے ہمراہ بابل لے آیا۔ یہ لوگ چالیس سال تک شاہِ بابل کی قید میں رہے۔ چالیس سال بعد جب انہیں رہائی ملی تو ان میں سے بعض لوگ تو واپس فلسطین چلے گئے اور بعض ایسے بھی تھے جو مستقلاً یہاں آباد ہو گئے۔

افغان رات کی تاریکیوں میں راستہ بھول کر یہاں پہنچنے والے قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں یا اسیرانِ شاہِ بابل کے باقیات میں سے ہوں ہمیں اس سے سروکار نہیں، بہر حال تاریخی اور افغان روایات ہمیں اس بات کا پتہ ضرور دے رہی ہیں کہ اسرائیلیوں کا ایک قبیلہ یہاں پہنچ کر آباد ہوا ہے۔

پانچویں دلیل:- افغانی و تاریخی روایات کے علاوہ سب سے بڑی دلیل اس علاقے کے مندرجہ ذیل شواہد ہیں

جو افغانوں کو قوم اسرائیل کے اخلاف ثابت کر رہے ہیں ۔

(ا) افغانوں نے یہاں کے ایک پہاڑی درے کا نام خیبر رکھا ہے ۔
جیسا کہ عہد قدیم کے حجاز المقدس میں جبال الشمر میں آباد اپنی گڑھیوں
کا نام ان کے بھائی بندوں نے خیبر رکھا تھا ۔

(ب) ان لوگوں نے یہاں اپنے ابتدائی مسکن کو بھی غور کا نام دیا ہے
جیسا کہ عہد قدیم میں ان لوگوں کے ایک علاقے کا نام غور تھا جس
کا ذکر قدیم تاریخوں میں مرقوم ہے ۔

(ج) انہوں نے یہاں کے ایک پورے سلسلۂ کوہ کو کوہِ سلیمانؑ کا نام
دیا ہے جبکہ اس کی چوٹی کا نام تختِ سلیمان رکھا ہے، [1]

(د) کئی افغان قبائل اپنے آپ کو سلیمانی کہلوانا پسند کرتے ہیں ۔

(ح) ان کے بڑے بڑے قبیلوں کے نام بھی قومِ اسرائیل کے جیّد پیغمبرانِ
عظام کے نام پر ہیں ۔ مثلاً موسیٰ خیل، موسیٰ زئی، یوسف زئی ۔
سلیمان خیل اور داؤد خیل وغیرہ ۔

ہم یہاں بس اتنا کہیں گے کہ افغان یہودی ہوں یا آریا ہمارا اصل موضوع
اس سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ہم نیازی قبیلے کو اس کے نسب کے
حوالے سے دیکھ رہے ہیں جو باپ کی طرف سے چلتا ہے، جہاں تک
ماں کا تعلق ہے ۔ وہ کسی بھی نسل سے ہو کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

---

[1] ۔ کوہ سلیمان اور تخت سلیمان کی وجہ تسمیہ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت

لودھی بن شاہ حسین اور اُسکی اولادوں کا ذکر

ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ابراہیم لودھی کی پرورش خصوصی طور پہ اس کے نانا شیخ بیٹن کی نگرانی میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیم لودھی اور اس کی اولادوں نے اپنے ننہیال یعنی افغانوں کے عادات و خصائل اور تہذیب و تمدن کو شعارِ حیات بنایا۔ لودھی کی اولادوں نے بعد میں افغانوں ہی میں شادیاں کیں اور انہیں میں رچ بس گئے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم لودھی کو تین فرزند عطا کئے سب سے بڑے بیٹے کا نام نیازی، منجھلے کا سیانی اور سب سے چھوٹے کا نام دوتانی تھا۔ بعض روایات کے مطابق دوتانی ابراہیم لودھی کا حقیقی بیٹا نہیں تھا بلکہ اس کا منہ بولا

سلیمانؑ اور ملکہ بلقیس باہم شادی کرنے کے بعد ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے جسے جنات کی ایک جماعت اٹھائے لئے جا رہی تھی جب وہ تخت ڈیرہ اسمٰعیل خان کے اوپر سے گزرا تو ملکہ بلقیس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ تخت کو اس پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اتار دیا جائے تاکہ وہ سرزمین ہند پر ایک مجموعی نگاہ ڈال سکیں، ملکہ بلقیس کی اس خواہش پر حضرت سلیمانؑ نے جنات کو حکم دیا کہ تخت کو پہاڑ کی اونچی چوٹی پر اتار دیا جائے تب سے اس چوٹی کا نام تخت سلیمانؑ پڑ گیا اور پہاڑی سلسلے کا نام کوہِ سلیمانؑ مشہور ہو گیا۔ اس روایت کی صحت یا عدم صحت سے قطعِ نظر اصل بات ان لوگوں کا پہاڑ کو جناب سلیمانؑ سے منسوب کرنا ہے۔

بیٹا تھا۔

نیازی بن لودھی اور اُسکی اولادوں کا ذکر

روایت کے مطابق نیازی بن لودھی نے زندگی میں تین شادیاں کیں اور عجیب اتفاق ہے کہ اس کے تین ہی بیٹے پیدا ہوئے یعنی ہر بیوی کے بطن سے ایک ہی بیٹا۔

نیازی کی پہلی بیوی کا تعلق سروانی قبیلے سے تھا۔ اس بیوی کے بطن سے اللہ تعالےٰ نے نیازی کو ایک ایسا درویش صفت متقی اور پرہیزگار بیٹا عطا کیا جو اپنے دور کا ولیٔ کامل تھا۔ اس کا نام "باہی" یا "باہو" بیان کیا جاتا ہے باہی کے اخلاف آج بھی اپنے قابلِ فخر باپ کے نام پر باہی کہلاتے ہیں اور یہ نام انہیں اتنا عزیز ہے کہ اس قبیلے کی تعداد جتنی بڑھتی گئی اس میں سے کوئی الگ ذیلی شاخ پیدا نہیں ہوئی یعنی اس کی اولادوں نے اپنے آپ کو صرف اور صرف باہی کے نام سے ہی منسوب رکھا اور اس قبیلے کی کسی بھی شاخ نے بنیادی باہی قبیلے سے جدا کسی بھی نام کو پسند نہ کیا، عین ممکن ہے کہ باہی کا اصل نام کچھ اور رکھا گیا ہو اور اپنے زہد و اتقا کی بنا پر اُسے باہو کی عرفیت ملی ہو یعنی اللہ والا۔ یا ممکن ہے، نیازی نے اپنے بیٹے کا نام ہی باہو رکھا ہو اور قدرت نے اسے اسمِ بامسمیٰ کر دیا ہو۔ ابتداً اس کی اولاد باہوی کہلائی جس نے بعد میں مقامی لہجہ اور تلفظ کی وجہ سے باہی کی شکل اختیار کر لی۔

نیازی کی دوسری بیوی کا نام مساۃ ذکیہ تھا جو پڑنگی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی اس کے بطن سے نیازی کو اللہ تعالےٰ نے ایک صاحب جمال فرزند عطا کیا جس کا نام بھی جمال رکھا گیا۔ یہ جمال بڑا ہو کر بہت مالدار اور سرمایہ دار بنا۔

نیازی نے تیسری شادی اپنی ضعیف العمری کے زمانے میں کی۔ اس کی تیسری بیوی ظمین بن سردین کی اولاد میں سے تھی۔ اس آخری بیوی سے نیازی کا آخری بیٹا خاکو پیدا ہوا۔

جب نیازی کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے کمسن بیٹے خاکو کو تربیت کے لیئے اپنے منجھلے بیٹے جمال کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ جمال صاحب مال و دولت ہونے کی وجہ سے خاکو کی کفالت کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکتا تھا۔

جب خاکو جوان ہوا تو جمال کا نوجوان پوتا مرہل بن بکا بن جمال اپنی جواں سال بیوی کو سوگوار چھوڑ کر فوت ہو گیا، جمال نے مرہل کی بیوہ کو خاکو کے عقد میں دے دیا۔

نیازی کے ان تینوں بیٹوں یعنی باہی، جمال اور خاکو میں سے مختلف نیازی قبائل نے جنم لیا جو آج بھی افغانستان اور میانوالی کے علاوہ پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔

نیازی کا شجرۂ نسب ابوالبشر آدمؑ تک

نیازی کا شجرۂ نسب ابوالبشر حضرت آدمؑ تک جوڑنے سے پہلے ہم اپنے قارئین کو یہ بتانے چلیں کہ شجرۂ نسب کو حضرت آدمؑ تک پہنچانے کیلئے

ان گنت واسطوں اور پشتوں کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے قدیم تاریخوں میں تمام واسطے اور پشتیں لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ اس لئے جتنے شجرے بھی قدیم تاریخوں سے لئے جائیں گے وہ ہمیں قطعاً اس بات کی ضمانت نہیں دیں گے۔ کہ درمیان میں سے بعض نام چھوڑے نہیں گئے۔ بالفرض کسی شخص کے شجرے میں جناب نوحؑ تک پچاس اشخاص کے نام لکھے ہوئے ہیں تو یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ شجرہ مربوط اور مکمل ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یوں ہوتا تھا۔ کہ ایک شخص کے باپ اور دادا کا نام لکھنے کی بجائے اس کا سلسلۂ نسب براہ راست اس کے پردادا سے ملا دیا جاتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ شجرۂ نسب کو لاتعداد ناموں سے طول دینے کی بجائے محض مشہور شخصیتوں کے نام درج کرکے شجریاتی نسبت کو واضح کرنا اور اصل جدّ اعلٰے کی نشاندہی کرنا ہوتا تھا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے "بہرام بن جلال الدین بن معز الدین بن طغرل" کی بجائے صرف "بہرام بن طغرل" لکھ دیا جائے، ہم نے اس کتاب میں جتنے بھی شجرے نقل کئے ہیں ان کی صحت کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور بڑی تحقیق و جستجو کے بعد انہیں مربوط کیا ہے، ہم یہاں نیازی کا جو شجرۂ نسب درج کر رہے ہیں۔ اس کی تدوین میں ہم نے مخزنِ افغانی کے علاوہ تمام قدیم مؤرخین بشمول طبری، ابن ہشام، مسعودی، ابن خلدون، علامہ ابن اثیر، تاریخ فرشتہ اور البلاذری وغیرہ سے استفادہ کیا ہے۔ تاریخ کے ان ماخذ حوالوں کی روشنی میں نیازی کا شجرۂ نسب حضرت آدمؑ تک یوں پہنچتا ہے،

"نیازی بن ابراہیم لودھی بن شاہ حسین بن شاہ معزالدین محمود بن جمال الدین

حسن بن سلطان بہرام بن بہام بن سلطان جلال الدین بن سلطان
معزالدین بن سلطان بہرام بن فریدون بن سلطان بہمن بن سلطان
طغرل بن سلطان بزرگ بن جمشید تگین حسن بن بہمن افراسیاب
بن طہماسپ بن فریدون بن جمشید اسفندیار بن ظفر تگین بن داراب
بن منہال بن تور بن سکندر بن گرشاسپ بن حیرو بن مندر بن
کاؤس بن زہراب بن کامیاب بن کودر بن فراماں بن سلاماں بن
جمشید بن ہرمز بن قباد بن بہرام بن تناسب بن نورخ بن فریرز
بن ارزدشت بن ارسلان بن ضحاک بن ماران بن رس بن ویدو
دستنک بن زنیکان بن افرادال بن کیومرث بن یافث بن نوح
بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ (ادریسؑ) بن یرد بن مہلائیل بن
یانفین بن انوش بن شیثؑ بن آدمؑ کے

نیازیوں کی پاوندہ زندگی پر ایک نظر

جیسا کہ ہم نیازیوں کے ننھیال (افغانوں) کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ ان کی زندگی خانہ بدوشوں کی سی تھی ۔ چونکہ نیازی قبیلہ بھی اپنے اوائل میں انہیں کے ساتھ رہا ہے اس لئے یہ لوگ بھی شروع شروع میں خانہ بدوش یا پاوندے تھے ۔

لفظ پاوندہ کا مطلب "چراگاہوں کی تلاش میں ریوڑ کو مختلف جگہوں پہ پھرا پھرا کر چرانا ہے"۔ یہ لفظ پشتو کے مصدر "پو دل" سے نکلا ہے کئی لوگ اسے فارسی مصدر "پوییدن" سے مشتق ٹھہراتے ہیں جس کا مطلب سرگشت

کرنا ہے۔ انگریزی میں پاوندہ قبائل کو NOME D TRIBES کہتے ہیں نومیڈ کا لفظ غالباً یونانی لفظ ناموس سے ماخوذ ہے۔

نیازی کئی نسلوں تک بلکہ صدیوں تک متواتر خانہ بدوش یا پاوندے رہے ہیں۔ میانوالی میں مقامی ہوکر مستقلاً آباد ہونے سے پہلے تک یہ لوگ کھیتی باڑی سے قطعاً ناواقف تھے اور مال مویشیوں کے ریوڑ ہی ان کی کل کائنات تھی

ابتداً یہ لوگ عرصہ دراز تک مغربی افغانستان میں غزنی کے نواح میں مقیم رہے ہیں۔ غالباً یہ لوگ شلگر اور زرام کے علاقوں میں آباد تھے لیکن اس زمانے میں بھی یہ لوگ سردیاں قندھار میں گذارنے آیا کرتے تھے اس لئے کہ غزنی اور نواح غزنی میں سردیوں کے ایام میں سخت برفباری شروع ہو جاتی تھی اور ان لوگوں کے مال مویشیوں کے ریوڑ بھوکے مرنے لگتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ مجبوراً اپنے مال مویشیوں اور بال بچوں سمیت افغانستان کے گرم سبز خطوں کا رخ کرتے تھے، چودھویں صدی عیسوی کا مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ رقمطراز ہے۔ کہ

"غزنی کے باشندے موسم سرما میں قندھار آجاتے ہیں جو غزنی سے تین منزل کی مسافت پر ہے"

غزنی، کابل اور قندھار کی چراگاہیں صدیوں تک ان پاوندہ قبائل کے ریوڑوں کی کفالت کرتی رہیں، لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ جہاں ان خانہ بدوشوں کی افرادی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ وہاں ان کے ریوڑوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔

پھر وہ وقت آیا جب خراسان کی مقامی چراگاہیں ان کے مویشیوں کی کفالت کے لئے ناکافی ہوگئیں اور یہ لوگ غزنی، کابل اور قندھار کی سرزمینوں سے ہوتے ہوئے سندھ و پاکستان تک آپہنچے ۔

یہ لوگ نومبر کے مہینے میں سرسبز بھری چراگاہوں کی تلاش میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوتے اور جہاں جہاں بھی ان کو چراگاہیں فارغ ملتیں وہیں ڈیرے ڈال دیتے اور تمام سردیاں وہیں گزار دیتے تھے - یہ لوگ مارچ کے مہینے میں واپس اپنے گھروں کو لوٹ جایا کرتے تھے ۔

خانہ بدوشی کے زمانے میں یہ لوگ بکریوں کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے تھے اور ایک یا بعض اوقات ایک سے زیادہ قبائل ملکر قافلوں کی صورت میں سفر کرتے تھے - یہ لوگ چلتے پھرتے گاؤں تھے جہاں پر ڈیرے ڈال دیتے تھے جنگل میں منگل کا سا سماں پیدا ہو جاتا تھا -

گاؤں کیلئے یہ لوگ "کلی" کا لفظ استعمال کرتے تھے انہیں مقامی زبان میں کوچی بھی کہا جاتا تھا - جو لوگ ان میں صاحب ثروت ہوتے تھے وہ موسم سرما میں بھی اپنے گھروں میں مقیم رہتے تھے ۔ اپنے سردار کے لئے ملک کا لفظ استعمال کرتے تھے لیکن آج کل یہ لفظ ان کے ہاں متروک ہو چکا ہے اور سردار کے لئے خان کا لفظ استعمال کرتے ہیں -

اپنے پاوندہ دور میں یہ لوگ دیگر قبائل کے ہمراہ جن میں سلیمان خیل، اکاخیل علی خیل، تره کئی، سوبک، ناصر، خروٹی، مہمند، یٰسین زئی، دولت زئی - تاجک، ملاخیل، ملتانی، میانی، کندی، غورانی اور میاں خیل وغیرہ شامل تھے،

مختلف دروں کے رستے پاک و ہند میں داخل ہوا کرتے تھے۔ زیادہ تر ان کی آمد درۂ خیبر، درۂ کرم، درۂ گومل اور درۂ ٹوچی کے راستے ہوا کرتی تھی لیکن بعض قبائل ژوب، پشین اور کوئٹہ کے راستے سے بھی پاک و ہند میں داخل ہوتے تھے۔

اس زمانے میں کندی اور غورانی قبائل کی آپس میں گہری دوستی ہوا کرتی تھی یہ دونوں متحد ہو کر قافلے کی صورت میں سفر کرتے تھے اور ڈاکوؤں یا رہزنوں کا مل کر مقابلہ کرتے تھے۔ کندی قبیلے کا وطن قندھار تھا۔ جہاں یہ ملاخیل قبیلے کے پڑوس میں آباد تھے۔ نیازی اور ملاخیل قبیلے کی آپس میں دوستی تھی اور یہ قبیلے بھی متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے

ہم بتا چکے ہیں کہ نیازی ابتداً شلگر اور زام میں آباد ہوئے تھے، لیکن جب ان کی افرادی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تو یہ لوگ آہستہ آہستہ قندھار کھڑانہ اور کالاباغ وغیرہ کے علاقوں میں پھیلتے اور آباد ہوتے گئے۔ نواحِ غزنی کے ان علاقوں میں آج بھی نیازی قبائل آباد ہیں۔

موسیٰ خیل اور عیسیٰ خیل پاوندے پاک و ہند میں داخلے کے لئے عموماً درۂ خیبر، درۂ ٹوچی، درۂ کرایا اور درۂ الکندی ہی کو اختیار کرتے تھے ان کے ریوڑ اونٹوں گھوڑوں، خچروں، گدھوں، بیلوں اور بھیڑ بکریوں پر مشتمل ہوتے تھے، انہیں جہاں بھی ہری بھری چراگاہیں فارغ ملتیں وہیں ڈیرے ڈال دیتے تھے اور یوں سردیاں وہیں بیٹھ کر گزار دیتے تھے، جن پاوندوں کے پاس اونٹ ہوتے تھے وہ یہاں کے مقامی لوگوں کے لئے معاوضے پر فصل، اناج اور دیگر اشیاء

مثلاً ایندھن اور تعمیراتی لکڑی کی بار برداری کا کام بھی کرتے تھے اس طرح غلّہ، بھوسہ اور نقدی کی شکل میں خاطرخواہ کمائی کر لیتے تھے۔

ان کی اکثریت تجارت پیشہ تھی اور یہ لوگ پاک وہند میں داخل ہو کر نہ صرف اپنے ریوڑ چراتے تھے بلکہ تجارت بھی کرتے تھے یہ خراسان سے خشک پھل مثلاً بادام، انار، خوبانی، اخروٹ، پستہ، چلغوزے، سبز گھی، اون، گرم مصالحے اور جڑی بوٹیاں یہاں آ کر فروخت کرتے تھے۔ واپسی پر کپڑا، جوتے، شکر، نمک اور چائے وغیرہ ساتھ لے جاتے تھے اور خراسان میں جا کر منافع پر بیچتے تھے۔ ان لوگوں کے لئے پاک و ہند کا سفر ہزاروں نعمتوں کا سامان پیدا کر دیتا تھا۔ کئی پاوندے اپنا سامانِ تجارت یہاں کے مقامی باشندوں کو ایک سال کے ادھار پر بھی فروخت کر جاتے تھے۔ سال کے بعد جب یہاں کے زمیندار اور کسان اپنی اپنی فصلیں اٹھا چکتے تو یہ لوگ بھی اپنا ادھار وصول کرنے آ پہنچتے تھے اور ایک ایک پائی وصول کر کے ٹلتے تھے۔ لمبے عرصے پر ادھار دینے کی ریت آج بھی میانوالی کے نیازی قبائل میں موجود ہے۔ جو ان کے عہد ماضی کی پاوندہ زندگی کی یادگار ہے۔ تجارت میں دوہرے منافع کی وجہ سے نیازی قبائل کی مالی حالت نہایت اچھی تھی اور پیسے کے لحاظ سے یہ باقی تمام پاوندہ قبائل میں ممتاز تھے۔

بعض نیازی پاوندے موسم گرما غزنی میں اور موسم سرما کوہاٹ میں تیراہ کے قرب وجوار میں بسر کرتے تھے لیکن ان کی اکثریت خوست، تھل، داماں، ڈیرہ اسماعیل خان اور ٹانک کے علاقوں میں خیمہ زن ہوتی تھی۔ یہ تجارت پیشہ

اور ساہو کار نیازی پاوندے عموماً سروں پر سیاہ پگڑیاں باندھتے تھے اور اس مخصوص لباس کی وجہ سے بآسانی پہچانے جاتے تھے۔

نیازیوں کی دو چھوٹی شاخیں خواجہ خیل اور خدیبری لغمان کے علاقے میں نہایت معمولی زمین کی مالک تھیں۔ یہ دونوں قبیلے گرمیاں باگرام اور جبل السراج (کابل) میں گزارتے تھے جبکہ سردیوں میں لغمان واپس آجاتے تھے۔

نیازی قبائل کا پاک و ہند میں ورود اور آباد کاری

نیازی پاک و ہند میں کب داخل ہوئے اور اپنے موجودہ مسکن میانوالی میں ان کی مستقل آباد کاری کے اسباب کیا تھے؟ ان سوالات کے جوابات کے لئے ہمیں صدیوں پیچھے کی تاریخ کو کھنگالنا پڑے گا۔

دراصل نیازی بھی دیگر پاوندہ قبائل کی طرح در در کی ٹھوکریں کھا کر یہاں پہنچے ہیں اور ان کی بالآخر مستقل آباد کاری ایک طویل خانہ بدوش زندگی کے تتمے کی حیثیت رکھتی ہے وہ یک دم افغانستان سے اٹھ کر یہاں نہیں آ گئے بلکہ یہاں تک آنے میں انہیں نقلِ مکانی کے درجنوں مراحل سے گزرنا پڑا۔ میانوالی میں ختم ہونے والا یہ سفر سالہا سال پر محیط ہے جس میں ان کی نسلیں کھپ گئیں۔

گو متّی قبائل کی برصغیر میں آمد کا سلسلہ غزنوی اور غوری حملوں کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ تاہم چند مشہور نیازی سرداروں کے انفرادی اور استثنائی ذکر سے قطعِ نظر تاریخ میں نیازیوں کے بحیثیت ایک قبیلہ کے بطور خاص تذکرہ کافی بعد کے زمانے میں سامنے آتا ہے۔

جس شخص نے سب سے پہلے ان کا بطور قبیلہ کے اپنے موجودہ مسکن کے قریب آباد ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ مشہور فاتح اور ہندوستان میں مغلیہ

سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر ہے۔ ہند پر اپنے پہلے حملے کے دوران جب بابر بنوں کے نواح میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ نیازی اس علاقے میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ اس وقت کی علاقائی کیفیت کو بابر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری تزک بابری میں یوں بیان کیا ہے :۔

"ہم جونہی پہاڑوں سے نکل کر باہر آئے تو ہمیں بنوں اور بنگش کے علاقے دکھائی دیئے۔ بنگش کو جو ندی سیراب کرتی ہے وہ بنوں سے ہوکر آتی ہے۔ بنوں کے جنوب میں چوبارہ ہے۔ اور دریائے سندھ موجزن ہے۔ مشرق میں دینکوٹ (کالاباغ کے نزدیک قدیمی علاقہ) اور مغرب میں دشت واقع ہے بنوں کے آباد کاروں میں کیرانی، کیوی، سور، عیسیٰ خیل اور نیازی قوموں کی اکثریت ہے۔ جنہوں نے پہاڑوں پر لشکر بنا رکھے ہیں"

اس کے بعد بابر نے اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ جب اس نے (میانوالی کے) موجودہ قصبہ عیسیٰ خیل کے نواح میں چھاؤنی ڈال رکھی تھی تو رات کے وقت عیسیٰ خیل قبیلے نے ان پر شب خون مارا۔ لیکن چونکہ متوقع حملے کے پیش نظر چھاؤنی ہوشیار تھی اس لئے بغیر کسی قابل ذکر نقصان کے یہ شب خون ناکام بنا دیا گیا۔

تزک بابری کے ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ خیل اور دیگر نیازی قبائل ۱۵۰۵ء تک نہ صرف موجودہ قصبہ عیسیٰ خیل کے نواح میں اچھی طرح جم چکے تھے بلکہ خاطر خواہ افرادی قوت کے حامل بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بابر جیسے عظیم فاتح کو بھی ان کی طرف سے شب خون مارنے کے خدشے کی بنا پر اپنی چھاؤنی میں

خصوصی پہرے کا انتظام کرنا پڑا۔

تاریخ ہمیں یہ بات تو بتانے سے قاصر ہے کہ نیازیوں کے افغانستان سے کوچ اور برصغیر میں داخلے کی ابتدا صراحتاً کس سن میں ہوئی۔ تاہم اندازہ ہے کہ یہ لوگ غزنوی یا غوری حملوں کے بعد ہی کسی وقت اپنے آبائی وطن سے نکلے اور مختلف علاقوں میں وقفے وقفے سے بستے اٹھتے اور تدریجی سفر طے کرتے اپنے موجودہ مسکن تک پہنچے ہیں۔ بابر جب اس علاقے میں آیا تو ان کو وہاں آباد ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔

نیازی قبیلے کی اکثریت غزنی کے جنوب میں واقع شلگر میں آباد تھی وہاں سے ان کی نقل مکانی کی اہم وجہ قبیلۂ اندر سے جھگڑا تھا۔ اس جھگڑے میں قبیلۂ اندر نیازیوں پر غالب آیا اور انہیں وہاں کی زمینوں سے بے دخل کر کے نکال دیا۔ نیازی وہاں سے نکل کر کوہِ سلیمان کے مشرقی کنارے یعنی دامان میں آ بیٹھے اور وہاں کے علاقے پر قبضہ کر لیا جو اب ٹانک کہلاتا ہے، غالباً ٹانک کا علاقہ اس وقت تک غیر آباد تھا۔ یہاں قابض ہونے کے بعد بھی نیازی متواتر خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے رہے آہستہ آہستہ انہوں نے شمال کی طرف پھیلنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اس تھل تک آ پہنچے جو اب قبیلۂ مروت کے پاس ہے۔ اس وقت بنوں کے نواح میں دریائے کرم اور گمبیلا کے کناروں پر مشتمل یہ علاقہ زیادہ تر بنجر اور غیر آباد پڑا تھا۔ البتہ اس کے قرب و جوار میں اکا دکا ہندو قومیں آباد تھیں۔ جب محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا تو بنوں اور میانوالی کے علاقے بھی اس کی زد میں آ گئے، جس کے نتیجے میں یہاں کی ہندو آبادی کا زور ٹوٹ گیا۔ اور

ان علاقوں پر ان کی گرفت مضبوط نہ رہی۔ یوں نیازیوں کو اس سرزمین میں قدم جمانے کا زریں موقع مل گیا۔ اور انہوں نے جوق در جوق دریائے کرم اور گمبیلا کے زرخیز کناروں پر آباد ہونا شروع کر دیا۔

بہرحال پندرہویں صدی کے اختتام تک یہ لوگ اس میدان کو پوری طرح اپنے تصرف میں لے چکے تھے۔ جو اب مروت کہلاتا ہے۔ اغلب ہے کہ مال مویشی چرانے کے علاوہ وہ اس زمانے میں کاشتکاری کی طرف بھی راغب ہو چکے تھے۔ مروت کے علاقے میں نیازی تقریباً پچاس سال تک نہایت امن اور چین سے آباد رہے حتیٰ کہ لودھی قبیلے کی ایک چھوٹی شاخ مروت[1] لوہانی وہاں آدھمکی انہوں نے زبردست لڑائی کے بعد نیازیوں کو علاقہ مروت سے بے دخل کر دیا۔ مروت قبیلے سے شکست کھانے کے بعد نیازی موجودہ میانوالی کی تحصیل عیسیٰ خیل میں آکر مقیم ہو گئے اس وقت تک نیازی قبیلہ عیسیٰ خیل، سنبل، سرہنگ، مشانی اور مہیار وغیرہ شاخوں میں منقسم ہو چکا تھا۔

پاک و ہند میں نیازیوں کے عروج کا زمانہ

ہندوستان اگر سونے کی چڑیا تھی تو یقیناً وہ ایک ایسے پنجرے میں بند تھی جس کی

---

[1] ان مروت لوہانیوں کو ۱۴۵۰ء میں غلزئی قبیلے کی ایک شاخ سلیمان خیل نے غزنی سے نکال دیا تھا۔ لوہانی قبیلے کی بڑی بڑی شاخیں مروت، دولت خیل، اور ٹانڈی ہیں۔ نواب آف ٹانک کا تعلق دولت خیل قبیلے کی ذیلی شاخ کاتی خیل سے ہے۔

چابی افغان اور متی قبائل کے قبضۂ قدرت میں تھی۔ یہی لوگ تھے جنھوں نے غزنوی اور غوری فاتحین اور ان کے جانشینوں کو ہندوستان کے خزائن کا مالک بنایا۔ حقیقتاً برصغیر کے تمام حکمران اس خطے میں ان کی سیاسی اہمیت سے آگاہ تھے اور ہر ایک نے اس بہادر اور جنگجو قبیلے کو ہر ممکن طریقے سے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ اس سرزمین میں داخل ہونے والے حملہ آوروں اور یہاں کے تاجداروں کو اچھی طرح علم تھا کہ پہاڑوں کے پروردہ یہ قبائل جس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں اسے بادشاہ بنا دیتے ہیں اور جس تاجدار کی مخالفت پر اتر آئیں اسے تاج و تخت چھوڑتے ہی بنتی ہے۔ الغرض ان کی حیثیت ہندوستان میں بادشاہ گر کی سی رہی ہے

متی قبائل بنیادی طور پر دو بڑے شعبوں یعنی خلجی (غلزئی) اور لودھی پر مشتمل ہیں ان دو شعبوں کی آگے مزید کئی شاخیں اور ذیلی شاخیں ہیں۔ ہماری کتاب کا موضوع نیازی قبیلہ اسی دخان کے لودھی شعبے کا ایک اہم جزو ہے۔

یوں تو نیازی بھی اپنے بھائی بند خلجیوں اور لودھیوں کے ساتھ سلطنتِ دہلی کے قیام و بقا میں ابتداء ہی سے کسی نہ کسی شکل میں شامل رہے ہیں لیکن ان کی کاروبارِ حکومت میں واضح شرکت لودھی اور سوری دور میں سامنے آتی ہے اور یہی ان کے سیاسی عروج کا زمانہ ہے۔ ان حکمرانوں کے دور میں نیازی نہ صرف حکومت و سلطنت کے بہت قریب رہے ہیں بلکہ انہوں نے کئی نشیب و فراز بھی دیکھے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کا ماضی لودھی اور سوری اقتدار سے مربوط رہا ہے،

لودھی خاندان کی برصغیر میں برسرِ اقتدار آنے کی کہانی یوں ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ بھی دیگر پاوندوں کی طرح گروہ در گروہ ہندوستان میں تجارت کے لئے

آتے رہتے تھے انہیں میں سے ایک شخص ملک بہرام لودھی اپنے بھائی سے سرداری کے مسئلے پر ناراض ہو کر ملتان چلا آیا۔ یہ سلطان فیروز شاہ باربک کا زمانہ تھا اور ملک مروان دولت اس کی طرف سے حاکم ملتان تھا۔ ملک بہرام لودھی نے ملک مروان کی ملازمت اختیار کر لی۔ یہ وہی ملک بہرام ہے۔ جسے بعد میں تاجدار ہندوستان بہلول لودھی کا دادا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ملک بہرام کے ہاں پانچ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام ملک سلطان، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد اور ملک خواجہ تھے۔

ملک مروان دولت کے بعد جب ملتان کی حکومت سید خضر خان کے ہاتھ آئی تو اس نے گذشتہ خدمات اور وفاداری کے صلے میں ملک بہرام کے بڑے لڑکے ملک سلطان کو سرہند کا حاکم بنا دیا اور اسے اسلام خان کے لقب سے نوازا۔ اسلام خان نے اپنے چھوٹے بھائی ملک کالا کو پرگنہ دورالہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ دورالہ کی حکومت کے دوران ہی ملک کالا کا چند نیازی سرداروں سے جھگڑا ہو گیا جس میں وہ نیازیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ ملک کالا کے اکلوتے بیٹے بہلول کی پرورش اس کے تایا اسلام خان حاکم سرہند نے بڑے ناز و نعم سے کی۔ بہلول نے اپنی دانائی اور بہادری سے اپنے تایا اسلام خان کو اتنا متاثر کیا کہ اس نے بڑھاپے کے ایام میں اپنی جانشینی کے لئے اس کو اپنے فرزندوں پر ترجیح دی اور اسے اپنا قائم مقام بنا دیا۔ حاکم سرہند کی حیثیت سے بہلول لودھی شاہان سادات کا پورے خلوص سے فرمانبردار رہا۔ جب خاندانِ سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کے عہد میں مالوہ کے حکمران محمود خلجی نے دہلی پر حملے کے لئے پیش قدمی کی تو بہلول

لودھی اس آڑے وقت میں فوراً بادشاہ کی مدد کو آیا اور محمود خلجی کو شکست دے کر بھگا دیا۔ محمد شاہ نے خوش ہو کر بہلول لودھی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور لاہور و دیپالپور کی حکومت بھی اس کے سپرد کر دی۔

محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدین عالم شاہ تختِ دہلی پر متمکن ہوا لیکن اس کے عہد میں ملک کی حالت بہت بگڑ گئی اور جب وہ بگڑے ہوئے حالات پر قابو نہ پا سکا تو دہلی چھوڑ کر بدایوں چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بہلول لودھی حاکم پنجاب نے دہلی کا قصد کیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر حالات کو درست کیا اور پھر علاؤ الدین عالم شاہ کو واپس آ کر عنانِ حکومت سنبھالنے کی دعوت دی مگر علاؤ الدین نے واپس آنے سے انکار کر دیا۔ اور برضا و رغبت دہلی کی حکومت بہلول لودھی کے سپرد کر دی اس طرح ۱۹ اپریل ۱۴۵۱ء سے لودھی حکومت کا آغاز ہوا۔

سلطان بہلول لودھی نے تخت پر بیٹھتے ہی ایک فرمان کے ذریعے اپنے ہم قوم قبائل کو ہند میں آنے اور جاگیروں کے عوض لودھی حکومت کی پشت پناہی کی دعوت دی۔ چنانچہ مختلف متی قبائل نے گروہ در گروہ ہند کا رخ کیا۔

نیازیوں میں سے جو شخص سب سے پہلے سلطان بہلول لودھی کے دربار سے وابستہ ہوا۔ وہ عمر خان نیازی تھا، ہیبت خان نیازی اور سعید خان نیازی اسی عمر خان[1] کے بیٹے تھے، جنہوں نے بعد کی تاریخ میں بہت نام پیدا کیا۔

---

[1] کئی مؤرخین عمر خان کو سروانی سمجھتے ہیں۔ صاحب مخزنِ افغانی نے بھی عمر خان کو سروانی

عمر خان نیازی تادمِ مرگ لودھی حکومت کے دربار سے منسلک رہا اسی کے

قرار دیتے ہوئے یہ شجرہ دیا ہے:۔

"عمر خان بن متا بن مموبن احمد بن موسیٰ بن محمود بن ابراہیم بن لکھو بن سوری بن سرپال بن سردانی"

حالانکہ عمر خان نیازی تھا جیسا کہ تاریخ شیر شاہی سے ثابت ہے عمر خان نیازی کا درست شجرۂ نسب ہے:۔

"عمر خان بن متا بن موبن احمد بن موسیٰ بن بھرت بن سرہنگ بن آلو بن عیسیٰ بن خاکو بن نیازی"

جن مؤرخین نے عمر خان کا شجرۂ نسب سروانیوں سے جوڑا ہے انہیں شاید عمر خان کے دادا "احمد بن موسیٰ" کے نام سے غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے اسے احمد بن موسیٰ سروانی سمجھا ہے جبکہ اصل میں یہ احمد بن موسیٰ سرہنگ ہے یاد رہے کہ عمر خان کا تعلق نیازیوں کی سرہنگ شاخ کے مشہور قبیلے موسیٰ خیل سے ہے جو اب تحصیل میانوالی میں کوہستانِ نمک کی ڈھک پہاڑی کے دامن میں آباد ہے۔ یہاں اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو ہیبت خان نیازی کے متعلق پائی جاتی ہے کئی مؤرخین نے اسے عیسیٰ بن عمر جدِ اعلیٰ عیسیٰ خیل کا بھائی بنا دیا ہے حالانکہ یہ ایک مسلّمہ ہے کہ ہیبت خان بن عمر خان قبیلہ موسیٰ خیل کا چشم و چراغ تھا جس کوئی شک نہیں کہ ہیبت خان نام کا ایک سردانی سردار بھی تھا جس نے لودھی اور سوری حکمرانوں کے دور میں خدمات انجام دیں لیکن وہ ہیبت خان جو پنجاب کا گورنر اور اعظم ہمایوں کے لقب سے ملقب تھا نیازی قبیلے کی موسیٰ خیل شاخ کا گل سرسبد تھا۔ غیر محتاط مؤرخین نے ہیبت خان سروانی اور ہیبت خان نیازی کے شجروں کو بھی خلط ملط کر دیا ہے

مشہور زمانہ بیٹوں یعنی ہیبت خان، سعید خان، بابو خان اور ابراہیم خان نے دربارِ شاہی میں آنکھ کھولی۔ اور اسی ماحول میں پل کر جوانی میں قدم رکھا یہ چاروں بھائی بچپن سے ہی سلطان بہلول لودھی کے فرزند ارجمند نظام کے ہم جلیس و ہمنشین رہے۔ جو بعد میں سکندر شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔

سلطان بہلول لودھی ایک پرہیزگار، نرم دل اور عادل حکمران تھا۔ اس نے اڑتیس سال حکومت کرنے کے بعد ۹۰۵ھ میں وفات پائی اس وقت لودھیوں کی حکومت پنجاب سے بنارس اور کوہ ہمالیہ سے دریائے جمنا کے کنارے تک پھیل چکی تھی۔

سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد اس کا لائق بیٹا نظام خان، سکندر شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ یہ نیک سیرت اور سخی انسان تھا۔ تدبیرِ مملکت سے بھی خوب آگاہ تھا۔ اس نے ملک میں امن و امان قائم کیا۔ نیز بہار کو فتح کر کے سلطنت کی توسیع کی۔ اسی نے سب سے پہلے دہلی چھوڑ کر آگرہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔

سکندر شاہ نے بادشاہ بنتے ہی عمر خان نیازی کے چاروں بیٹوں کو جو اس کے بچپن کے دوست تھے۔ دربار کے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ یہ چاروں بھائی ماہر جنگجو اور بلا کے شہسوار تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان سکندر شاہ اپنے امرا کے ساتھ چوگان کھیل رہا تھا کہ اچانک سلیمان خان بن دریا خان نامی سروانی سردار کی چوگان کھیلنے والی ہاکی کا سرا ہیبت خان نیازی کی ہاکی سے ٹکرا کر اس کے اپنے سر میں جا لگا جس سے

وہ زخمی ہو گیا۔

سروانی سرداروں نے اسے ہیبت خان کی شرارت پر محمول کیا۔ چنانچہ سلیمان خان سروانی کے بھائی خضر خان نے اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے اپنی ہاکی ہیبت خان کے سر پر دے ماری۔ اس پر سروانیوں اور نیازیوں کے مابین یہ تنازعہ نہایت خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ لیکن وہاں موجود دیگر اُمرائے سلطنت نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اور ہیبت خان نیازی اور اس کے ساتھیوں کو گھر لے گئے۔

چند روز بعد جب سلطان سکندر شاہ پھر اپنے امراء کے ساتھ چوگان کھیلنے کے لئے میدان میں آیا تو سلیمان خان اور خضر خان سروانی نیازیوں کے متوقع حملے کے پیش نظر سلطان کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ تاکہ نیازی سلطان کا لحاظ کر کے ان پر حملہ نہ کر سکیں لیکن ہیبت خان نیازی کا ایک عزیز شمس خان نیازی جو قریب ہی کہیں گھات میں تھا۔ بادشاہ کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر خضر خان پر لوٹ پڑا۔ اور ہاکی سے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا اس پر ایک بار پھر کھیل کا میدان جنگ کا سا سماں پیدا کرنے لگا۔ بڑی مشکل سے سکندر شاہ نے اس فتنے کو رفع کیا۔

ان واقعات کے نتیجے میں سلطان سکندر نیازی امراء سے بدظن ہو گیا۔ اس کے دل میں یہ خطرہ گھر کر چکا تھا کہ اگر اس کی موجودگی میں اس کے کسی ہمراہی پر حملہ ہو سکتا ہے تو نیازیوں سے کیا بعید ہے کہ وہ کسی وقت خود اس پر حملہ کر دیں۔ اسے اپنے دادا ملک کالا کے نیازیوں کے ہاتھوں قتل کا واقعہ

بھی اچھی طرح معلوم تھا۔ اسی فکر کے پیشِ نظر اس نے اپنے گرد قابلِ اعتماد امرا کا سخت پہرہ لگوا دیا۔

جب نیازی امرا نے دیکھا کہ سلطان ان سے کھچا کھچا سا رہتا ہے تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ ان کے خلاف کسی تادیبی کارروائی کا آغاز نہ کر دے چنانچہ انہوں نے دوسرے کئی امرا کو ساتھ ملا کر یہ سازش تیار کی کہ سلطان سکندر شاہ لودھی کو معزول کر کے اس کے بیٹے فتح خان لودھی کو تخت نشین کر دیا جائے اس سازش میں سلطان کے بائیس امرائے سلطنت شریک تھے ان سب نے مل کر شہزادہ فتح خان سے ملاقات کی اور اسے پیشکش کی کہ اگر وہ تعاون کرے تو اسے باپ کی جگہ بادشاہ تسلیم کیا جا سکتا ہے بادشاہت کی لالچ میں شہزادہ ابتداً ان لوگوں کی باتوں میں آ گیا اور باپ کی حکومت کا تختہ الٹنے پر آمادہ ہو گیا تاہم بعد ازاں جب عملی کارروائی کا وقت آیا تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ اس نے مناسب سمجھا کہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اپنی والدہ اور پیر و مرشد حضرت شیخ زاہدؒ سے اس بارے میں مشورہ کرے۔ لیکن جب اس نے ان سے رابطہ قائم کیا۔ اور مشورہ مانگا تو اس کی والدہ اور مرشد دونوں نے اسے اس سازش میں حصہ لینے سے سختی سے منع کر دیا اور ساتھ ہی تلقین کی کہ وہ اپنے والد محترم سلطان سکندر شاہ کو فوری طور پر حالات سے آگاہ کر دے اور اسے بتا دے کہ فلاں فلاں امرائے سلطنت اسے بغاوت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں

چنانچہ شہزادہ نے حسبِ نصیحت سلطان کو حالات سے آگاہ کر کے تمام سازشی امرا کے نام بتا دیئے۔ سلطان نے اپنے وفادار امرا سے مشورہ

کر کے ان سازشیوں کے خلاف مناسب کارروائی کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے
کہ وہ ان میں سے کسی پر ہاتھ ڈالتا وہ روپوش ہو کر لاہور چلے گئے۔

یہی وہ حالات تھے جنہوں نے نیازیوں کو سروانیوں کا ہمیشہ کے لئے مخالف
بنا دیا کیونکہ نیازیوں پر پڑنے والی اس ساری افتاد کی علت یہی سروانی تھے
ان کی سروانیوں سے نفرت ان کے اس قول سے اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے۔
کہ "غضب خدا کا کتے خصی کرنے والے سروانی بادشاہ کی ناک کا بال بنے ہوئے ہیں"۔
بہر حال جلد ہی سلطان کو مفرور امرأ کی لاہور میں موجودگی کی خبر ہو گئی، لیکن سلطان
کی طرف سے گرفتاری کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھائے جانے سے پہلے ہی یہ لوگ
پھر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور گوالیار کے راجہ نہال چند کے پاس جا
کر پناہ گزیں ہو گئے۔

جب سلطان کو معلوم ہوا تو اس نے راجہ گوالیار سے اس بارے میں باز پرس
کی مگر نہال چند نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ باغی امرأ کو اس نے پناہ دے رکھی
ہے اس جواب پر سلطان نے اپنی افواج کو اس پر چڑھائی کا حکم دے دیا۔

جب سلطانی لشکر گوالیار کے نزدیک پہنچا تو راجہ گوالیار کو حالات کی سنگینی
کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً سلطان سے صلح کی درخواست کی اور ساتھ ہی باغی امرأ
کو بشمول ہیبت خان نیازی اور سعید خان نیازی گرفتار کر کے سلطان کی خدمت
میں پیش کر دیا۔ تاہم عجیب بات یہ ہے کہ سلطان سکندر لودھی نے ان امراء
کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہ کی۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں اول یہ
کہ ہیبت خان اور سعید خان کا والد عمر خان، لودھی دربار کا پرانا نمک خوار تھا ممکن

ہے سلطان نے اسی کا پاس و لحاظ کیا ہو۔ دوم یہ کہ نیازی ایک باہمت اور کینہ پرور قبیلہ تھا وہ نیازی امرأ اور ان کے دوستوں کو قتل کر کے اپنے خلاف عام نیازی نفرت کو دعوت دینا نہیں چاہتا تھا۔ بالفاظِ دیگر وہ نیازیوں کے ردِ عمل سے خائف تھا۔ بہر حال وجہ جو بھی تھی ان سب امرأ کو معاف کر دیا گیا حتیٰ کہ سلطان سکندر کی وفات کے بعد امرائے سلطنت نے جب اس کے بڑے بیٹے ابراہیم لودھی کو بادشاہت کے لئے منتخب کر لیا تو اس کے دور میں یہ نیازی امرأ لودھی دربار سے اسی طرح وابستہ رہے اور انہوں نے پورے خلوص سے لودھیوں کی خیر خواہی کی ۔

سلطان ابراہیم لودھی میں اپنے باپ سکندر لودھی جیسی اچھی صفات کا فقدان تھا اس کے برعکس وہ کئی منفی صفات کا مالک تھا۔ یعنی مغرور اور تند خو انسان تھا۔ اس کی بدمزاجی کی وجہ سے اکثر امرائے دربار اس کے در پردہ مخالف ہو گئے۔ سب سے پہلے اس کے بھائی جلال خان نے علمِ بغاوت بلند کیا مگر ابراہیم لودھی نے اسے شکست دے کر قتل کروا دیا۔ ابھی وہ جلال الدین کی سرکوبی سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کی میواڑ کے رانا سانگا سے ٹھن گئی۔ رانا سانگا اپنے وقت کا بہترین جرنیل تھا لیکن ابراہیم لودھی سے مقابلے میں اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس فتح سے ابراہیم لودھی کو اپنی طاقت پر حد سے زیادہ گھمنڈ ہو گیا۔ اب تو وہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتا تھا۔ دوسری طرف اس کے امرأ قبائلی پس منظر کی وجہ سے ناروا حد تک خودسر تھے اور بادشاہت کے صحیح تصور کے برعکس مرکزی حکومت کے فرمانروا کو وہ اپنوں میں سے ایک سمجھتے تھے ان کے نزدیک

یا دشاہ ایک قسم کا بڑا قبائلی سردار تھا اور اسے ان کو اپنا ذاتی غلام بنا لینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ جبکہ سلطان ابراہیم لودھی انہیں آداب شاہی پر سختی سے کاربند دیکھنا چاہتا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ کسی رو رعایت کا قائل نہ تھا۔ چنانچہ اس نے ملک کا نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لئے مصالحانہ اور مدبرانہ طریقے کی بجائے جلد بازی اور سختی سے کام لیا اور غلطی کرنے والے امرا کو بلا امتیاز سخت سزائیں دیں جس پر ملک کے کونے کونے میں سرکشی اور بغاوت کی لہر دوڑ گئی، بعض دیگر امرا کی طرح پنجاب کے گورنر دولت خان لودھی نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور کابل کے مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی، بابر پہلے ہی تاک میں تھا اس نے موقع کو غنیمت جانا اور ایک زبردست لشکر کے ساتھ ہندوستان کا رخ کیا۔ سلطان ابراہیم لودھی کو خبر ہوئی تو اس نے نہایت دلیری سے بڑھ کر پانی پت کے میدان میں مغل حملہ آور کا سامنا کیا۔

اگرچہ ابراہیم لودھی کا لشکر بابر کے لشکر سے کافی زیادہ تھا لیکن قسمت نے اس کا ساتھ نہ دیا اور ایک خونریز لڑائی کے بعد بابر نے میدان جیت لیا۔ خود ابراہیم لودھی بڑی بہادری سے لڑتا ہوا میدانِ کارزار میں مارا گیا۔ یوں لودھی حکومت کا ہندوستان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

یہ ۱۵۲۶ء کا واقعہ ہے ظہیر الدین بابر نے سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دینے کے بعد دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۵۲۷ء میں یعنی اگلے ہی سال بابر کو کنواہہ کے مقام پر نامور راجپوت سردار رانا سانگا سے محاذ آرائی کرنا پڑی۔ اس لڑائی میں بھی فتح و نصرت نے اس مغل شہزادے کے قدم چومے اور یوں

پورے ہندوستان میں اس کا کوئی قابلِ ذکر مدمقابل نہ رہا۔[۵۹] ۱۵۲۹ء تک شمالی ہندوستان کو مکمل طور پر اپنے تصرف میں لا چکا تھا۔ اگر ۱۵۳۰ء میں اُسے موت نہ آ لیتی تو شاید سارے ہندوستان کو اپنا زیرِ نگیں کر لیتا۔

ظہیرالدین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیرالدین ہمایوں مغل سلطنت کے تخت پر بیٹھا وہ ایک نیک دل انسان تھا۔ اس نے اپنے بھائیوں سے ہمیشہ مہربانی کا سلوک کیا لیکن انہوں نے ہمیشہ اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی۔ اس کی حکومت ہر طرف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی، افغان خلجی، لودھی اور راجپوت سردار اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی تاک میں تھے۔ اگر ہمایوں کے بھائی خلوصِ نیت سے اس کا ساتھ دیتے تو مغل اپنے تمام مخالفوں پر غالب رہتے۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ بہار اور بنگال کے خلجی اور لودھی امرا مغلوں کے جانی دشمن تھے۔ بابر کی موت کے بعد انہوں نے بغاوت کا علم بلند کر دیا۔ ابتداً ہمایوں کو ان کے خلاف کافی کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اس نے ۱۵۳۱ء میں حاکمِ بنگال محمود لودھی کو لکھنؤ کے مقام پر شکست دی اور پھر سوری سردار شیر خان کو بھی مطیع کر لیا۔ اپنی طرف سے بغاوتوں کو مکمل طور پر کچل کر ہمایوں واپس آگرہ آ گیا۔ لیکن حالات نے جلد ہی پلٹا کھایا۔ شیر خان سُوری نے مختلف افغان اور مقامی قبائل کی تائید و حمایت سے ایک نئے عزم کے ساتھ مغلوں کے خلاف کارروائی کا آغاز کر دیا۔

تمام سرکردہ نیازی امرا نے جن میں ہیبت خان نیازی، سعید خان نیازی، عیسیٰ خان نیازی، شمس خان نیازی، زرین خان نیازی، سید خان نیازی، قطب

خان نیازی، دولت خان نیازی اور سیف خان نیازی قابلِ ذکر ہیں۔ شیر خان کی مغلوں کے خلاف جدوجہد میں پوری پوری مدد و اعانت کی۔

شیر خان کا اصل نام فرید خان تھا اس نے اپنی بہادری کی وجہ سے شیر خان کا خطاب پایا تھا اس کا باپ حسن خان سوری بہار میں سہسرام کا جاگیردار تھا اور نصیر خان لوہانی کا ملازم تھا۔ شیر خان نے ابتدا میں سلطان محمدؒ والئ بہار کی ملازمت اختیار کی بعد میں وہ مغل فاتح ہند ظہیر الدین بابر کی فوج میں شامل ہو گیا۔ لیکن وہاں بھی اس کا نباہ نہ ہو سکا۔ اور اس نے واپس آکر محمود لودھی حاکم بنگال کی ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ ہی عرصہ بعد اپنی فطری صلاحیتوں کی بدولت شیر خان بہار کے افغانوں کا سردار بن گیا۔ اب اس نے مغلوں کو ہندوستان سے نکالنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

جب ہمایوں بہادر شاہ والئ گجرات سے لڑ رہا تھا تو شیر خان نے بغاوت کر دی۔ ہمایوں نے بہادر شاہ کے خلاف لڑائی کو ادھورا چھوڑ کر ادھر کا رخ کیا اور جلد ہی شیر خان کے گڑھ قلعۂ چنار کو فتح کر لیا۔ شیر خان پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ شاہی فوجیں بنگال کے دارالحکومت تک پہنچ گئیں لیکن شیر خان کی پسپائی دراصل ایک جنگی چال تھی جس کا ہمایوں بڑی آسانی سے شکار ہو گیا شیر خان نے جلد ہی اس کے آگے آکر اس کا رابطہ پایۂ تخت سے کاٹ دیا۔

برسات کا موسم شروع ہو گیا تھا شاہی فوجوں کو نقل و حرکت میں بڑی دشواری کا سامنا تھا دوسرے رسد میں زبردست کمی آ چکی تھی اوپر سے شیر خان کسی بلائے ناگہانی کی طرح سر پہ پہنچ گیا۔ دونوں فوجوں کا چونسہ کے مقام پر آمنا سامنا

ہوا اور شیر خان کے منصوبے کے عین مطابق ہمایوں کو بری طرح شکست ہوئی ۔ وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر آگرہ پہنچا گو ہمایوں نے ایک دفعہ پھر شیر خان سے جنگ کر کے اس کا زور توڑنے کی کوشش کی ۔ لیکن ۱۵۴۰ء میں قنوج کے مقام پر ہونے والی اس لڑائی میں بھی ہمایوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا ۔ اب اس کے لئے ہندوستان میں کوئی جائے پناہ نہ تھی اس لئے ناچار اسے ہندوستان چھوڑ کر ایران کی راہ لینا پڑی ۔ اس طرح شیر خان سُوری نے دہلی اور آگرہ کی مرکزی حکومت اپنے قبضے میں لے لی اور شیر شاہ سُوری کے لقب سے تختِ حکومت پر متمکن ہو گیا ۔ کہتے ہیں کہ شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ہمایوں نے نیازیوں کو رام کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس مقصد کے لئے ان کے قبائلی سردار ملک حبیب نیازی کو انعام واکرام سے بھی نوازا لیکن وہ شیر شاہ کے مقابلے میں نیازیوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے میں ناکام رہا ۔

شیر شاہ کا شمار دنیا کے صفِ اوّل کے فرمانرواؤں میں ہوتا ہے گو اس نے ہندوستان پر صرف پانچ سال حکومت کی لیکن اس مختصر مدت میں بھی اس نے جہانبانی کے ایسے اصول وضع کئے جو بعد میں مغلوں اور انگریزوں نے بھی اپنائے ۔

اس نے رفاہِ عام کے بڑے بڑے کام کئے جن میں سڑکوں اور سراؤں کی تعمیر درخت کاری، چاہ سازی اور مستحقین کے وظائف شامل ہیں ۔ اس نے نہایت اعلیٰ درجے کی مالیاتی اور عدالتی اصلاحات نافذ کیں اور فروغِ تعلیم میں قابلِ قدر دلچسپی لی ۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک اعلیٰ پائے کا فاتح بھی تھا ۔ اس کی فتوحات

میں ہمایوں کو ہندوستان سے بے دخل کرنے کے علاوہ مالوہ، رنتھبور، قلعہ رائے سین قلعہ مارواڑ اور قلعہ کالنجر کی تسخیر قابلِ ذکر ہیں ۔۹۵۲ھ میں ہونے والے کالنجر ہی کے معرکے میں شیر شاہ شہید ہو گیا۔

شیر شاہ کے تمام عہد حکومت میں نیازی امرا کاروبارِ حکومت پر چھائے رہے کہا جا سکتا ہے کہ شیر شاہ سوری کا عہد پاک و ہند میں نیازیوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ تاج و تخت کے قریب ہونے کی وجہ سے پورے برصغیر میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ شیر شاہ بذاتِ خود ہیبت خان نیازی اور عیسیٰ خان نیازی پر بڑا اعتماد کرتا تھا اور یہ دونوں بھی اس کی ناک کا بال بنے ہوئے تھے۔

ریاست مالوہ کے باغی ملو خان کو شکست دینے پر شیر شاہ سوری نے ہیبت خان کو مالوہ میں جاگیر عطا کی تھی۔ بعد ازاں اس نے بہادری، وفاداری اور اعلیٰ خدمات کے صلے میں ہیبت خان کو اعظم ہمایوں کے لقب سے سرفراز کر کے لاہور و پنجاب کا صوبیدار مقرر کر دیا تھا۔

لاہور کی صوبیداری کے دوران اس نے شیر شاہ کے ایما پر ملتان کے بلوچ حکمران فتح خان پر حملہ کیا اور اسے شکست دے کر ملتان کا علاقہ بھی سوری سلطنت میں شامل کر لیا۔

الغرض نیازیوں نے شیر شاہی سلطنت کے لیے ہر دم زریں خدمات انجام دیں اور اس کے قیام و استحکام میں بھرپور حصہ لیا۔ پھر انہوں نے اس کا صلہ بھی خوب پایا۔ تمام امرائے سلطنت کے مقابلے میں شیر شاہ کے دل میں نیازی امرا کا ایک ممتاز اور منفرد مقام تھا اور وہ ان کی رائے کو

زبردست اہمیت دیتا تھا - اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ شیر شاہ سُوری کے عہد میں نیازی قبیلے کو کیسی بلندی حاصل رہی ہو گی ۔

برصغیر میں نیازیوں کے زوال کی کہانی

جس وقت شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت اس کے معاون و مددگار زیادہ تر نیازی امراء ہی تھے۔

شیر شاہ سوری کا اپنا قبیلہ سور اس وقت نیازی قبیلے کے مقابلے میں کمزور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی حکومت کے کرتا دھرتا اور روحِ رواں نیازی تھے۔

شیر شاہ کے دل میں یہ خیال تو یقیناً گزرتا ہوگا کہ نیازی اعلیٰ عہدوں اور عددی برتری کی بنا پر کہیں اس کے قبیلے اور حکومت کے لئے خطرہ نہ بن جائیں۔ لیکن وہ ایک دانا اور مدبر حکمران تھا۔ اسے جہانگیری و جہانبانی کے تمام اصول ازبر تھے انسانوں کو قابو کرنے میں اور خطرات کی پیش بندی میں اسے ید طولیٰ حاصل تھا۔ دشمنوں اور باغیوں سے نبٹتے وقت اس کی نظر فوراً ان کی کمزوریوں کو تاڑ لیتی تھی جن سے وہ اپنی مرضی کے نتائج نکال لیتا تھا۔

یوں لگتا ہے کہ شیر شاہ سوری نے ہیبت خان کو لاہور کا صوبیدار محض اس لئے مقرر کیا تھا کہ اس طریقہ سے اسے نیازیوں کی زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل ہو سکتی تھیں لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے چچا زاد بھائی مبارک خان کو ہیبت خان کی ماتحتی میں نیازیوں کے علاقے (موجودہ میانوالی) کا عامل مقرر کر دیا۔

اس طریقہ سے وہ غالباً نیازیوں کے اندرونِ خانہ احساسات و خیالات سے آگاہ رہنا چاہتا تھا۔ اسے بہرحال اس اطمینان کی ضرورت تھی کہ ہیبت خان کے اپنے ہی صوبے میں گورنر رہنے سے کسی ناخوشگوار صورت حال کے پیدا ہوتے

کا کوئی خطرہ نہیں ہے ۔

سوءِ اتفاق سے مبارک خان نے بطورِ عامل نیازی علاقے میں قیام کے دوران ایک سنبل لڑکی کے حسن کا شہرہ سن کر اس کا رشتہ مانگ لیا۔ مگر نیازیوں نے یہ رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ جب مبارک نے زیادہ دباؤ ڈالا تو انہوں نے مشتعل ہو کر اسے قتل کر دیا۔

جب شیر شاہ سوری کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو اس نے ہیبت خان نیازی حاکم پنجاب کو ہدایت کی کہ مبارک خان کے قتل میں ملوث مجرموں کو کڑی سزا دے۔ ہیبت خان نیازی جب شاہی حکم کی تعمیل کے لئے دین کوٹ پہنچا تو سنبل قبیلہ پہاڑوں پر چڑھ گیا اور اس کی دسترس سے دور ہو گیا۔ ہیبت خان نے جب ان پر قابو پانے کی کوئی راہ نہ دیکھی تو مصالحت کا جھانسا دے کر انہیں اپنے پاس بلایا اور ان میں سے نوسو افراد کو قتل کر دیا۔ اس سانحے سے نیازیوں کا ایک نہایت طاقتور قبیلہ تقریباً ملیا میٹ ہو کر رہ گیا۔

ہیبت خان کا یہ فعل خود شیر شاہ کو بھی ناگوار گزرا۔ یقیناً اس نے اسے سنگدلی وعدہ خلافی اور اپنوں سے غداری پر محمول کیا ہوگا۔ شیر شاہ نے اسے صرف مجرموں کو سزا دینے کا حکم دیا تھا نہ کہ سنبل قبیلے کے قتل عام کا۔ جو شخص بادشاہ کی خوشنودی اور اپنے اقتدار کی بقا کے لئے اپنوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کرتا ہو۔ مزید کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ اس خیال اور سوچ نے شیر شاہ کو ہیبت خان سے بدظن کر دیا۔ اور وہ اسے معزول کرنا چاہتا تھا لیکن موت نے اُسے مہلت نہ دی اور ہندوستان کے مضبوط ترین قلعہ کالنجر کی مہم کے دوران ناگہانی حادثاتی موت کا شکار ہو گیا۔

قلعۂ کالنجر کے محاصرے کے دوران شیر شاہ کی اپنی فوج کا چلایا ہوا ایک بارودی گولہ قلعہ کی دیوار سے ٹکرا کر واپس شاہی فوج کے بارود کے ذخیرے میں آگرا اور پھٹ گیا جس سے تمام بارودی ذخیرے نے آگ پکڑ لی۔ شیر شاہ سوری کے تین امرا کو جو اس کے بالکل قریب کھڑے تھے، وہاں سے ہلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ اور وہ فوراً جل کر بھسم ہو گئے۔ لیکن شیر شاہ کسی نہ کسی طرح مورچوں تک زندہ پہنچ گیا۔ مگر اس کا آدھے سے زیادہ جسم جل چکا تھا، بہر حال مرتے دم تک یہ بہادر اور جنگجو انسان اپنی فوج کی کمان کرتا رہا۔ اور بالآخر قلعہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا جونہی قلعہ مکمل طور پر شیر شاہی فوج کے قبضے میں آگیا۔ شیر شاہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

شیر شاہ کی موت کے ساتھ ہی وقتی طور پر ہیبت خان نیازی کے سر سے تادیبی کارروائی کا خطرہ تو ٹل گیا لیکن اسی دوران شیر شاہ کے دونوں بیٹوں یعنی جلال خان اور عادل خان میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی۔ شیر شاہ کے مشہور و معروف جرنیل خواص خان کے علاوہ کئی نیازی امرا کی خواہش تھی کہ تاج و تخت شیر شاہ کے بڑے لڑکے عادل خان کو ملے لیکن جلال خان نے جو پرلے درجے کا موقع شناس اور شاطر آدمی تھا۔ موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

ہوا یوں کہ جب شیر شاہ کالنجر میں ناگہانی موت کا شکار ہو کر مر گیا تو اسوقت شیر شاہ کا بڑا بیٹا عادل خان قلعہ رنتھنبور میں مقیم تھا اور چھوٹا بیٹا جلال خان صوبہ بھٹہ کے نواحی قصبہ ریوں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ جب جلال خان کو اپنے باپ کی وفات حسرت

آیات کی خبر ہوئی تو اس نے فوراً اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی اور رات
دن کی مسافتیں طے کرتا۔ شیر شاہ سوری کے لشکر میں آپہنچا۔ اس کا بڑا بھائی عادل
خان چونکہ کالنجر سے کافی دور قلعہ رنتھنبور میں مقیم تھا لہٰذا وہ بر وقت نہ پہنچ سکا۔
جلال خان نے آتے ہی تمام امرأ کو اپنے ساتھ ملا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۹ ربیع الاول
۹۵۲ھ بمطابق ۱۵۴۵ء کو اسلام شاہ کے لقب سے ہند کا بادشاہ بن بیٹھا۔
شیر شاہ سوری کے تمام امرأ نے جن میں نیازی بھی شامل تھے۔ رسمِ تاجپوشی میں
حصہ لیا۔ جلال خان الملقب بہ اسلام شاہ نے عنانِ حکومت سنبھال تو لی لیکن اس
کے اقتدار کے لئے سب سے بڑا خطرہ اس کا بڑا بھائی عادل خان تھا جو صحیح معنوں
میں اقتدار کا اصل اور جائز وارث تھا۔ چنانچہ اسلام شاہ نے اسے اپنے راستے
سے ہٹانے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بڑی
خوشامد اور چاپلوسی سے کام لیا اور اپنے بڑے بھائی عادل خان کو نہایت ادب و احترام
کے ساتھ ایک عریضہ بھیجا جس میں اس نے تحریر کیا کہ چونکہ آپ کالنجر سے
بہت دور تھے اور میں نزدیک تھا اس لئے اپنے والد محترم کی وفات کے بعد
کسی ممکنہ خطرے یا بغاوت کے پیشِ نظر میں نے تاج و تخت اپنے قبضے
میں لے لیا ہے ورنہ اس کے اصل حقدار آپ ہی ہیں میں آپ کا تابع فرمان
ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ آپ فوری طور پر تشریف لے آئیں اور عنانِ
اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر مملکت کا نظام چلائیں میں ہمیشہ آپ کا اطاعت
گزار رہوں گا۔
یہ خط روانہ کرنے کے بعد اسلام شاہ دارالحکومت آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا

کالنجر اور آگرہ کے راستے میں قصبہ کرڑا آتا ہے جہاں کا جاگیردار شیر شاہ سوری کا وفادار غلام اور جرنیل خواص خان تھا۔ خواص خان کو شیر شاہ نے بے تحاشا انعامات و اکرامات سے نوازا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شیر شاہ سوری خواص خان کو غلام کی بجائے اپنا دستِ راست سمجھتا تھا اور اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اس سے محبت رکھتا تھا۔ خواص خان بھی شیر شاہ کا انتہائی خیر خواہ اور نمک حلال ملازم تھا۔ اس نے کئی جنگوں میں اپنی جان پر کھیل کر شیر شاہ کے ڈگمگاتے ہوئے اقتدار کو سہارا دیا تھا۔ اس کے علاوہ خواص خان اپنے دور کا ولی اللہ اور قطب تھا۔ اور اس کے اکثر دن اولیائے کرام، صوفیا اور فقراء کی خدمت میں گزرتے۔ جب کہ راتیں عبادات اور ذکر و فکر میں بسر ہوتیں۔ اور پھر سخی ایسا تھا کہ غریبوں، فقیروں اور بے کسوں میں دولت کو دونوں ہاتھوں سے لٹاتا تھا۔ انہیں گوناگوں صفاتِ جلیلہ کی وجہ سے شیر شاہ سوری کے تمام امراء اور عام افغان خواص خان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ اور اس سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔

اسلام شاہ کی خواہش تھی کہ خواص خان بھی اس کی اطاعت کا اعلان کر دے تاکہ تمام امراء کی رائے کے علاوہ رائے عامہ بھی اس کے حق میں ہموار ہو جائے۔ جب کہ خواص خان حکومت پر اسلام شاہ کے غاصبانہ حملہ کی تائید و حمایت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب اسلام شاہ کا لشکر کالنجر سے چل کر خواص خان کی جاگیر میں آ پہنچا تو خواص خان کو مجبوراً اپنے آقائے ولی نعمت کے صاحبزادے کے استقبال کیلئے حاضر ہونا پڑا۔ اسلام شاہ نے

وہاں دوبارہ جشن تاجپوشی منانے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان سے اس کا مقصد
یہ تھا کہ جشنِ تاجپوشی میں خواص خان کو بہر حال حصہ لینا پڑے گا۔ اور یوں امراء
اور عوام کو بھی تاثر ملے گا کہ اس نے بھی اسلام شاہ کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا
ہے۔ گو خواص خان کو چار و ناچار اس زبردستی کی رسم تاجپوشی میں حصہ لینا
پڑا تاہم اس نے شہزادہ عادل خان کو خط لکھ کر اپنے مافی الضمیر سے آگاہ کر
دیا اور صاف صاف بتا دیا کہ تاج و تخت کے جائز وارث آپ ہی ہیں
اگر آپ حصولِ اقتدار کے لئے میدان عمل میں آئے تو مجھے اپنا حامی
و مددگار پائیں گے۔

شہزادہ عادل خان کو جو رنتھنبور سے ہی حالات و واقعات کا جائزہ لے
رہا تھا۔ جب اسلام شاہ کا خط ملا تو وہ سخت تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اُسے
صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر وہ اپنے بھائی کے بلاوے پر آگرہ کی طرف جاتا ہے۔
تو یقیناً مقتل کی طرف چل کر جانے کے مترادف ہو گا۔ اور اگر نہیں جاتا تو پھر
بھی اسلام شاہ کے عتاب کا شکار ہوتا ہے۔ یوں اس کی حالت نہ جائے رفتن
نہ پائے ماندن کی سی تھی۔ لیکن جب اسے خواص خان کا خط ملا تو اس کی ڈھارس
بندھی اور اس نے اسلام شاہ کے دوسرے معروف امرا یعنی عیسیٰ خان نیازی،
جلال خان جلو اور قطب خان وغیرہ کو مراسلے بھیجے اور انہیں اپنے حق میں ہموار
کرنے کے لئے لکھا کہ اگرچہ میرا چھوٹا بھائی اسلام شاہ عنانِ حکومت سنبھال
چکا ہے اور میں اُسے تسلیم بھی کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے جان کا خطرہ لاحق ہے
مبادا مجھے اپنی راہ کا کانٹا سمجھ کر ختم ہی نہ کر دے لہذا میں آپ لوگوں سے گزارش

کرتا ہوں کہ اسلام شاہ سے مجھے جانی تحفظ کی ضمانت دلائی جائے۔ تاکہ میں آگرہ میں حاضر ہو کر اس کے حکم کے مطابق اس سے ملاقات کر سکوں۔

جب ان امرا کو شہزادہ عادل خان کا خط ملا تو انہوں نے اس کی جان بخشی کے لئے اسلام شاہ سے بات کی۔ اسلام شاہ نے ان امرا کو ہر طرح سے یقین دلایا کہ وہ اپنے بھائی کے لئے کسی قسم کا خطرہ ثابت نہیں ہوگا۔ اس کی بے حد تعظیم کرے گا اور تاج و تخت اس کے حوالے کر دے گا۔

اسلام شاہ سے بات کرنے کے بعد ان تمام امرا نے شہزادہ عادل خان کو لکھ بھیجا کہ آپ بلا خوف و خطر آگرہ تشریف لے آئیں وہ اسے ہر قسم کے جانی تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں، نیز یہ کہ اگر وہ شاہی نہیں چاہتے تو کم از کم ہندوستان کے جس حصہ کو وہ جاگیر کے طور پر پسند کریں گے انہیں دے دیا جائے گا۔

ان امرائے کبار سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد شہزادہ عادل خان رنتھنبور سے عازم آگرہ ہوا، جب وہ فتح پور سیکری کے نزدیک پہنچا تو اسلام شاہ شکار کے بہانے وہاں پہلے سے پہنچا ہوا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عادل خان آگرہ پہنچ کر کہیں اس کے تاج و تخت کے لئے خطرہ نہ بن جائے۔ وہ اسے اپنے ہمراہ آگرہ تک لانا چاہتا تھا اور اسے راستے میں ہی یقین دلانا چاہتا تھا کہ وہ عنانِ حکومت اس کے حوالے کرنے کو تیار ہے تاکہ شہزادہ عادل خان اپنے محافظوں سے بے پرواہ ہو کر اس پر اعتماد کر بیٹھے اور یوں آگرہ پہنچتے ہی اسے قتل کر دیا جائے۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسلام شاہ آگرہ میں اپنے دربانوں کو یہ حکم دے

گیا تھا کہ جونہی شہزادہ عادل خان میرے ساتھ قلعے میں داخل ہو اس کے محافظوں کو باہر ہی روک لیا جائے۔

فتح پور سیکری میں جب دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی تو دونوں بڑی خندہ پیشانی سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ملے۔ لیکن ان دونوں پر منہ میں رام رام اور بغل میں چھری والی مثال صادق آتی تھی۔

فتح پور سیکری سے آگرہ تک اسلام شاہ اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعے عادل خان کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ اس کا ہر طرح سے فرمانبردار ہے اور تاج وتخت کی اُسے قطعاً خواہش نہیں ہے وہ چاہتا تھا کہ اس طرح شہزادہ عادل خان اس پر پوری طرح اعتماد کرلے لیکن جب وہ قلعہ آگرہ میں داخل ہوئے تو عادل خان کے محافظ جو خاصی تعداد میں تھے دربانوں کے روکنے کے باوجود زبردستی قلعہ میں داخل ہو گئے اس طرح اسلام شاہ اپنے منصوبے کی ناکامی پر پیچ وتاب کھا کر رہ گیا۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنے بڑے بھائی سے منوا تر خوشامدانہ رویہ جاری رکھا۔ قلعے میں وارد ہوتے ہی اسلام شاہ نے تاج شاہی عادل خان کے سر پہ رکھ دیا۔ اور اسے بازو سے پکڑ کر تخت پر بٹھا دیا۔ اور ساتھ ہی آداب شاہی بجا لایا۔

عادل خان طبعاً نہایت آرام پسند اور کم ہمت انسان تھا وہ بخوبی جانتا تھا کہ شاہی کرنا اس کے بس کا روگ نہیں ہے اس کے علاوہ وہ اپنے چھوٹے بھائی اسلام شاہ کی عیاریوں اور مکاریوں سے بھی پوری طرح آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ یہ شخص اسے کبھی بھی چین وسکون سے حکومت نہیں کرنے دے گا اور ہر گام پر اس کے لئے

نت نئے خطرات اور سازشوں کے کانٹے بکھیرتا رہے گا۔ لہذا اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ تاج و تخت سے دستبرداری کا باضابطہ اعلان کر دے، چنانچہ اس نے تاج شاہی اپنے سر سے اتار کر چھوٹے بھائی کے سر پر رکھ دیا اور اس سے کہا کہ تاج و تخت تمہیں مبارک ہو۔ مجھے جو حکم آپ دیں گے بجالاؤں گا۔

اس پر تمام امرائے نے جو دربار میں حاضر تھے اسلام شاہ کو مبارکبادیں دیں۔

اس موقع پر عیسیٰ خان نیازی نے اسلام شاہ کو مشورہ دیا کہ شہزادہ عادل خان کو بیانہ کا علاقہ بطور جاگیر دے دیا جائے اور اسے اپنی جاگیر میں عزت و احترام سے بھیج دیا جائے، چنانچہ اسلام شاہ نے نہ صرف یہ تجویز منظور کر لی۔ بلکہ عیسیٰ خان نیازی اور خواص خان کو بھی شہزادہ عادل خان کے ساتھ بیانہ تک جانے کا حکم دیا۔ تاکہ یہ امرا اسے بیانہ چھوڑ آئیں۔

بیانہ پہنچ کر خواص خان نے شہزادہ عادل خان سے اجازت لے کر میوات کی راہ لی اور عیسیٰ خان واپس آگرہ چلا آیا۔ لیکن دو ماہ بعد ہی اسلام شاہ نے پینترا بدلا۔ اور ایک امیر غازی محلی کو یہ حکم دے کر بیانہ روانہ کر دیا کہ وہ شہزادہ عادل خان کو سونے کی بیڑیاں پہنا کر دربارِ شاہی میں لے آئے۔ جب غازی محلی بیانہ پہنچا تو شہزادہ عادل خان خوف کے مارے بھاگ کر خواص خان کے پاس میوات چلا گیا اور اس سے اسلام شاہ کی بدعہدی اور زیادتی کی شکایت کی۔ یہ سن کر خواص خان کو بہت غصہ آیا اور اس نے وہی سونے کی بیڑی غازی محلی کے پاؤں میں ڈال کر اسے قید کر دیا۔ ساتھ ہی عیسیٰ خان نیازی، قطب خان نیازی اور دیگر امرائے سلطنت کو پیغام بھیجا کہ اسلام شاہ نے چونکہ اپنے بھائی سے بدعہدی کی ہے۔

اور کیا ر امرا کی ضمانت کا پاس و لحاظ بھی نہیں کیا۔ لہذا میں لشکر لے کر اسلام شاہ پر چڑھائی کر کے آ رہا ہوں آپ سب لوگ بھی میرا ساتھ دیں۔ عیسٰی خان نیازی نے بھی اسلام شاہ کی اس بدعہدی کو اپنی توہین سمجھا کیونکہ وہ بھی شہزادہ عادل خان کو تحفظ کی ضمانت دینے والوں میں سے تھا، چنانچہ وہ بھی فوج لے کر خواص خان سے آ ملا۔ ان کے علاوہ کئی دیگر امرائے سلطنت بھی جو بظاہر اسلام شاہ کے ساتھ تھے، دل سے خواص خان کے حامی تھے۔

عادل خان، خواص خان اور عیسٰی خان نیازی جب اپنے متحدہ لشکر کو لے کر آگرہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کا منصوبہ یہ تھا کہ صبح منہ اندھیرے ہی پہنچ کر اسلام شاہ کا گھیراؤ کر لیں گے۔ اس طرح وہ لوگ بھی جو بظاہر اسلام شاہ کے حامی ہیں۔ لیکن دل سے عادل خان اور خواص خان کے بہی خواہ ہیں۔ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے ساتھ آ ملیں گے۔ اس ضمن میں ان لوگوں نے خفیہ پیغام کے ذریعے کافی امرائے سلطنت کو اعتماد میں لے لیا تھا لیکن جب ان کا لشکر فتح پور سیکری کے پاس پہنچا تو اتفاقاً اس رات شب برات تھی۔ خواص خان نے جو نہایت عابد و زاہد قسم کا انسان تھا اس موقع پر فتح پور سیکری میں ایک صوفی بزرگ شیخ سلیم کے آستانے میں جا کر نوافل کی نیت باندھ لی۔ اور ساری رات قیام و سجود میں گذار دی، صبح کے وقت ان لوگوں نے دوبارہ کوچ کیا اور چاشت کے وقت آگرہ آ پہنچے۔ ان لوگوں کا پیدہ سحر نمودار ہونے سے پہلے آگرہ پہنچنے کا منصوبہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ لیکن پھر بھی اسلام شاہ ان سے کافی خوفزدہ ہو گیا اور اسے اپنا تاج و تخت ڈگمگاتا نظر آنے

لگا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے تمام امرا کی ہمدردیاں درپردہ خواص خان کے ساتھ ہیں۔

اسلام شاہ نے قطب خان اور عیسیٰ خان حجاب سے کہا کہ وہ دونوں جاکر خواص خان سے صلح کی بات چیت کریں اور اُسے سمجھائیں۔ دراصل اسلام شاہ چاہتا تھا کہ اس طریقہ سے اپنے امرا کو دشمنوں کے نرغے میں بھیج دے اور خود کو بچا کر بمع خزانہ قلعۂ چنار میں جاکر قلعہ بند ہو جائے لیکن قطب خان اور عیسیٰ خان حجاب نے اسے تسلی دی۔ اور کہا کہ تمہارے پاس کافی فوج موجود ہے جس میں کم و بیش دس ہزار سپاہی تو تمہارے بچپن سے ہی محافظ چلے آتے ہیں جو تمہاری خاطر جان پر کھیلنے کو تیار ہیں۔ لہٰذا اس موقع پر کم ہمتی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے، اور کھلے میدان میں باغیوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ اس طرح جو امرائے سلطنت دل سے تمہارے مخالف ہیں وہ بھی دن دیہاڑے مخالفوں سے مل جانے کی جرأت نہیں کریں گے اور ان امرا کو بھی یہ یقین ہو جائے گا کہ تم اس بغاوت کو دبانے کی استطاعت رکھتے ہو۔ اس پر اسلام شاہ کو کچھ ڈھارس بندھی اور اس نے تمام امرائے سلطنت کو بلا کر انہیں اعتماد میں لے لیا۔ اور لشکر لے کر باغیوں کے مقابلے پر نکل آیا۔ آگرہ کے قریب دونوں لشکروں کی مڈ بھیڑ ہوئی قسمت نے اسلام شاہ کا ساتھ دیا۔ اور باغی لشکر کو زبردست ہزیمت اٹھانا پڑی۔ شکست کے بعد خواص خان اور عیسیٰ خان نیازی میوات کی طرف بھاگ گئے۔ جب کہ عادل خان صوبہ بھٹہ کی طرف فرار ہوگیا۔ اس کے بعد عادل خان کے متعلق معلوم نہ ہوسکا کہ اس کا انجام کیا ہوا۔

اسلام شاہ نے اس فتح کو تائید غیبی سمجھا اور اس کے حوصلے از سرِ نو جوان ہو گئے

اس نے تمام باغی امرا کا اور ان امرا کا جن کی وفاداری پر اسے شبہ تھا۔ مکمل طور پر قلع قمع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے عیسیٰ خان نیازی اور خواص خان کے تعاقب میں ایک لشکر بھیجا جس کا فیروز پور کے نزدیک عیسیٰ خان نیازی اور خواص خان سے آمنا سامنا ہوا۔ لیکن اس موقع پر اسلام شاہی لشکر کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ جب اس شکست کی خبر اسلام شاہ کو پہنچی تو اس نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور بذاتِ خود باغیوں کے سروں پر آ پہنچا۔ خواص خان اور عیسیٰ خیل اس بار مقابلہ نہ کر سکے اور شکست کھا کر کوہ کمایوں کی طرف روانہ ہو گئے اسلام شاہ نے قطب خان اور چند دیگر امرا کو ان باغیوں کو انجام تک پہنچانے کے لئے مقرر کیا اور خود واپس قلعہ چنار میں آگیا۔ جہاں تمام شاہی خزانے محفوظ تھے یہاں پہنچ کر اس نے ان تمام امرا کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جن کی وفاداری پر اُسے شبہ تھا۔ سب سے پہلے اس نے جلال خان جلو اور اس کے بھائی خداداد پر ہاتھ صاف کیا اور انہیں قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس نے قلعہ چنار سے تمام خزانہ نکال کر بحفاظت قلعۂ گوالیار میں بھجوا دیا اور خود آگرہ چلا گیا۔

اسلام شاہ اگرچہ قطب خان کو باغیوں کی سرزنش کے لئے فیروز پور کے قریب چھوڑ آیا تھا۔ لیکن در پردہ اسے قطب خان کی وفاداری پر بھی شک تھا اور کسی طریقہ سے اسے بھی ٹھکانے لگانے کے درپے تھا۔ قطب خان بھی اسلام شاہ کی نیت کو بھانپ چکا تھا۔ لہٰذا وہ ہیبت خان نیازی اعظم ہمایوں کے پاس لاہور میں آ کر پناہ گزین ہو گیا، ہیبت خان نیازی، اعظم ہمایوں نے اس وقت تک کسی سے اپنی وفاداری کا اظہار نہیں کیا تھا اور اس ساری افراتفری اور امرا کی سرکشی سے الگ تھلگ

پنجاب پر حکومت کر رہا تھا۔

جب قطب خان نے ہیبت خان کے پاس پناہ لی تو اسلام شاہ جو پہلے ہی نیازی امرا کو اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔ ہیبت خان نیازی سے مزید بدظن ہو گیا، اور اس نے ہیبت خان نیازی کو حکم بھیجا کہ وہ قطب خان کو بیڑیاں پہنا کر آگرہ بھیج دے، چنانچہ ہیبت خان نے شاہی احکام کی بجا آوری میں قطب خان کو بیڑیاں پہنا کر اسلام شاہ کے حضور بھجوا دیا۔ اسلام شاہ نے قطب خان اور اس کے بہنوئی شہباز خان نوحانی کو قلعۂ گوالیار میں قید کر دیا اور ان پر سختی سے پہرہ لگوا دیا۔

اس کے بعد اسلام شاہ نے نیازی امرا کی طرف دستِ ستم دراز کیا اور زین خان نیازی، شمس خان نیازی اور سید خان نیازی وغیرہ کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچل کر مروا دیا۔

ہیبت خان نیازی کا چھوٹا بھائی سعید خان نیازی بھی شاہی دربار سے وابستہ تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طریقے سے وہاں سے فرار ہو کر اپنے بڑے بھائی ہیبت خان نیازی کے پاس لاہور آ کر پناہ گزیں ہو گیا۔ اس پر اسلام شاہ نے ہیبت خان نیازی کو باز پرس کے لئے دربار شاہی میں طلب کر لیا لیکن ہیبت خان اسلام شاہ کی نیت کو اچھی طرح بھانپ چکا تھا۔ لہٰذا اس نے اس کے شاہی حکم کی تعمیل کرنے کی بجائے مجبوراً عیسیٰ خان اور خواص خان کو ساتھ ملا کر علمِ بغاوت بلند کر دیا اور سرہند تک کے علاقے کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

اسلام شاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی لشکر جرار لے کر یلغار کرتا ہوا ان کے سروں پر پہنچ گیا۔ سیالکوٹ کے قریب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔

لیکن شام کا وقت ہو چکا تھا اور ہر سو اندھیرا پھیل چکا تھا جس کی بنا پر لڑائی دوسرے دن تک ملتوی ہو گئی۔

رات کے وقت اسلام شاہ کو مخبروں نے اطلاع دی کہ باغیوں کا لشکر شاہی فوج سے تعداد میں کہیں زیادہ ہے یہ سن کر اس کے پاؤں تلے زمین نکل گئی اور شکست یقینی نظر آنے لگی۔ یہ وہ وقت تھا کہ نیازی تاج و تخت ہند کے نزدیک پہنچ چکے تھے لیکن قسمت نے ایک نیا گُل کھلایا اور نیازیوں کی ایک معمولی سی غلطی نے تاریخ کا دھارا اِدھر سے اُدھر موڑ دیا۔

نیازیوں کو یقین ہو چلا تھا کہ میدانِ جنگ ان کے ہاتھ رہے گا چنانچہ وہ خواص خان کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ کل جنگ میں اگر اسلام شاہ کو شکست ہو جائے یا اسے ختم کر دیا جائے تو اس کے بعد تخت کا مالک کون ہوگا؟ خواص خان نے جواب دیا کہ تاج و تخت کا جائز وارث عادل خان ہے اور یہ اسی کو ملے گا۔ لیکن نیازی امرأ نے خواص خان کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور جواب میں یہ شعر پڑھا:۔

؎ ملک بہ میراث نہ یابد کسے ‏ ‏ تا نہ زند تیغ دو دستی بسے

(یعنی بادشاہت وراثت سے نہیں بلکہ تیغ زنی سے حاصل ہوتی ہے)

اس پر خواص خان اور نیازیوں کی آپس میں ناچاقی پیدا ہو گئی۔ خواص خان نے جو شیر شاہ کا ایک وفادار غلام تھا اور اس کی نوازشات کے صدقے ہی وہ امارت کے اس عالی مرتبے تک پہنچا تھا۔ یہی بہتر سمجھا کہ اگر اسلام شاہ اپنے بڑے بھائی عادل خان کو سلطنت میں شامل نہیں کرتا۔ تو نہ سہی کم از کم شیر شاہ کا بیٹا تو ہے

لیکن یہ نیازی کون ہوتے ہیں - اس کے آقائے دلی نعمت کی میراث پر قبضہ کرنے والے ؟ یہ سوچ کر دہ عین لڑائی کے وقت اپنی فوج لے کر میدانِ جنگ سے باہر نکل گیا -

اب نیازی سیالکوٹ کے میدان میں تنہا رہ گئے تھے اور شاہی فوج کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی بہت کم ہو گئی تھی - لیکن نیازی سورماؤں نے آزمائش کی اس گھڑی کو مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا - اور سر پر کفن باندھ کر میدانِ جنگ میں کود پڑے - اگرچہ اس معرکے میں نیازیوں نے بہادری کے بے مثال جوہر دکھائے لیکن اسلام شاہ کے ٹڈی دل کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی اور انہیں شکست ہو گئی - اس جنگ میں ہزاروں نیازیوں نے بڑی جوانمردی سے داعئ اجل کو لبیک کہا -

ہیبت خان نیازی کے چھوٹے بھائی سعید خان نے جب دیکھا کہ اسلام شاہ فتح کے نشے میں چور ہے اور میدانِ جنگ سے بے خبر اپنے امراء سے مبارکبادیں وصول کر رہا ہے تو وہ بھی مبارکباد دینے کے بہانے اس کے نزدیک جا پہنچا اور چاہتا تھا کہ بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دے لیکن عین موقع پر شاہی فیل بان نے اسے پہچان کر شور مچا دیا کہ یہ سعید خان نیازی ہے اسے فوراً گرفتار کر لو - سعید خان جو ایک ماہر اور مشتاق شاہسوار تھا - شاہی فوجوں سے لڑتا بھڑتا اور ان کی صفیں چیرتا بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا -

اس شکست کے بعد ہیبت خان نیازی اپنے قبیلے کے بقیتہ السیف افراد کو لے کر اپنے علاقے دین کوٹ کی طرف چلا گیا - اسلام شاہ نے خواجہ اویس سروانی کی سربراہی میں ایک فوج ان کے تعاقب میں روانہ کی - یہ لشکر نیازیوں کا پیچھا کرتا ہوا

جب ان کے علاقے دین کوٹ پہنچا تو نیازی پھر سے سروں پر کفن باندھ کر میدانِ جنگ میں کود پڑے - اور اس بے جگری سے لڑے کہ خواجہ اویس سروانی کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلی -

ہیبت خان نیازی نے شکست خوردہ شاہی فوج کا تعاقب کیا اور انہیں مارتے مارتے نوشہرہ (وادئ سون) تک آ پہنچا -

جب اس شکست کی خبر اسلام شاہ سوری کو ہوئی تو اس نے ایک منظم لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا - نیازیوں نے دین کوٹ کے مقام پر اس لشکر کا سامنا کیا لیکن شکست کھائی - اس لڑائی میں ہیبت خان کی ماں اور بیوی بچے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں اسلام شاہ کے دربار میں بھیج دیا گیا -

اسلام شاہی لشکر سے مزید مقابلہ کی استطاعت نہ رکھنے کی وجہ سے ہیبت خان اپنے بچے کچھے رفیقوں کے ساتھ موجودہ راولپنڈی اسلام آباد کے علاقے میں نکل گیا جو اس وقت گکھڑوں کی عملداری میں تھا - لیکن شاہی فوج نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان کے تعاقب میں گکھڑ علاقے تک آ پہنچی -

ہیبت خان نیازی نے گکھڑ سرداروں سے مدد و اعانت کی درخواست کی جو انہوں نے منظور کر لی اور اسلام شاہی لشکر سے مقابلہ پر تیار ہو گئے اس کے بعد تقریباً دو سال تک راولپنڈی و اسلام آباد کی پہاڑیوں کے دامن میں گکھڑوں اور نیازیوں کی اسلام شاہی افواج سے جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن شاہی فوج کے پے در پے حملوں نے گکھڑوں کی طاقت کو مضمحل کر دیا - ہیبت خان نیازی نے اپنے گکھڑ میزبانوں کو مزید آزمائش میں ڈالنا مناسب نہ سمجھا اور

اپنے قبیلے کے ساتھ کشمیر کے پہاڑوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے مہاراجہ کشمیر حیدر خان کے ساتھ بہت اچھے مراسم تھے اور اسے یقین تھا کہ مہاراجہ اس کی ہر قسم کی مدد پر کمربستہ ہو جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے مہاراجۂ کشمیر نے ہیبت خان سے دوستی کا حق ادا نہ کیا اور میزبانی کی آڑ میں سوئے ہوئے نیازیوں پر حملہ کرا کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعد میں ان کے سر قلم کر کے اسلام شاہ سوری کے دربار میں بھیج دیئے گئے۔

اسلام شاہ کے ہاتھوں تباہی کے بعد نیازی قبیلہ مفلوج ہو کر رہ گیا۔ اور دوبارہ کھویا ہوا سیاسی مقام حاصل نہ کر سکا۔

اسلام شاہی دور اگرچہ برصغیر پاک و ہند میں نیازیوں کے زوال کا دور تھا لیکن اس دور میں نیازی متحد ہو کر بحیثیت ایک قوم کے ابھرے اور شاہی فوجوں سے بڑے زوردار معرکے لڑ کر دنیا کو باور کرا دیا کہ یہ قوم شجاعت و بہادری میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔ دوسری طرف سوری حکمران بھی جنہوں نے نیازی قبائل سے ٹکر لی تھی زیادہ دیر تک اپنی حکومت برقرار نہ رکھ سکے اور ان کی حکومت بہت جلد زوال کا شکار ہو گئی۔ بالفاظ دیگر نیازیوں کا اعتماد اور حمایت کھو دینے کے بعد سوری قبیلہ بھی ہندوستان پر اپنا تسلط برقرار نہ رکھ سکا۔

بہر حال ہیبت خان نیازی کی سوریوں کے خلاف بغاوت اور شکست کے نتیجے میں نیازی نہ صرف مجموعی طور پر اپنی سیاسی اہمیت کھو بیٹھے بلکہ ان کی اہم ترین شاخ یعنی سرہنگ جس کا چشم و چراغ ہیبت خان تھا، تباہ ہو کر رہ گئی۔ البتہ ان کی بھائی بند قبائلی شاخیں یعنی عیسٰی خیل اور مشانی وغیرہ نسبتاً "محفوظ" رہیں،

جس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت تباہ حال اور پریشان سرہنگ اسلام شاہی حکومت کے خوف سے وینکوٹ سے نکل کر واپس ٹانک چلے گئے۔ عیسیٰ خیل، مشانی اور سنبل اپنی سابقہ بستیوں میں بدستور مقیم رہے۔

سرہنگ کچھ عرصہ تک ٹانک میں مقیم رہے لیکن جلد ہی ہندوستان میں سوری حکومت کے خاتمے نے ان کی واپسی کا راستہ کھول دیا۔

نو سال حکومت کرنے کے بعد اسلام شاہ سوری ۱۵۵۴ء میں مر گیا۔ اس کے بعد سوری خاندان میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو صحیح طور پر حکومت کرنے کا اہل ہوتا۔ چنانچہ سوری اقتدار ڈانواں ڈول ہو گیا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا اور ۱۵۵۵ء میں پنجاب اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں پانی پت کی دوسری لڑائی (۱۵۵۶ء) میں اکبر کے جرنیل بیرم خان نے ہیمو بقال کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت کو ہندوستان میں پوری طرح مستحکم کر دیا۔

سوری اقتدار کے خاتمے کے ساتھ ہی نیازیوں کے سر سے ایک زبردست بوجھ اتر گیا۔ چنانچہ ٹانک میں پناہ گزیں سرہنگوں نے دوبارہ واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ اور جلد ہی مروت علاقے میں آ خیمے لگائے۔

گو سرہنگ اس وقت تک ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا اور اسکا ارادہ مروت علاقے میں مستقل بیٹھنے کا نہ تھا۔ لیکن مروت کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ انہیں نکالنے کے لئے انہوں نے انہیں کی ایک شاخ میہیارہ کو اپنے ساتھ ملا کر ان پر حملہ کر دیا۔

سرہنگ اپنے نامور سردار مدی خان کی سربراہی میں جان توڑ کر لڑے لیکن مقدر نے ایک بار پھر ان کا ساتھ نہ دیا اور انہیں شکست کھا کر وہاں سے نکلنا پڑا۔ وہاں سے نکل کر یہ لوگ موجودہ تحصیل عیسیٰ خیل میں آپہنچے جہاں ان کے ہم نسب قبائل یعنی عیسیٰ خیل، سُنبل اور مشانی آباد تھے۔ لیکن ابھی تک ان کی خانہ بدوش زندگی کے دور کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ زرخیز زمینوں اور بہتر چراگاہوں پر ان کے بھائی بند نیازی قبائل پہلے ہی سے قابض تھے اور دریائے سندھ کے پار گکھڑوں کی عملداری میں مقامی لوگ آباد تھے۔ سابقہ مصیبتوں کے نتیجے میں سرہنگ اس پوزیشن میں نہ تھے کہ کسی جگہ زبردستی قبضہ کر لیتے اور فارغ جگہ کوئی ایسی نہیں تھی۔ جہاں یہ آباد ہو جاتے۔ چنانچہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال تک یہ لوگ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر متواتر خانہ بدوشی کی حالت میں پھرتے رہے۔

گو ان میں سے بعض خیلیوں نے اکبرِ اعظم کی بادشاہت کے آخر اور جہانگیر کے دورِ حکومت کے اوائل ہی میں دریائے سندھ کے مشرق میں اپنے موجودہ مساکن تک رسائی حاصل کر لی تھی لیکن ان علاقوں پر باقاعدہ اور مستقل قبضہ بہت بعد میں ہوا۔ اس دوران انہوں نے وہاں اپنا قیام خانہ بدوشوں کا سا رکھا اور مقامی آبادی سے جو اعوان اور ان کے مزارع جاٹ قبائل پر مشتمل تھی۔ میل جول بڑھا کر اور برادری بنا کر بیٹھے رہے اور چراگاہوں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اعوان قبائل نے انہیں اسی طرح مہمان کے طور پر بیٹھنے دیا جیسا کہ آج کل بعض پاوندے گاموں اور قصبوں کے اردگرد عارضی

طور پر خیمہ زن ہو جاتے ہیں۔ میانوالی کی موجودہ تحصیل کی زمینوں پر مکمل قبضہ کرنے کے لئے انہیں نہ صرف اعوانوں سے لڑائی کرنا پڑتی بلکہ علاقے کی بالادست قوت گکھڑوں سے بھی ٹکرانا پڑتا اور ابھی سرسنگ اس پوزیشن میں نہ تھے لیکن یہ صورت حال زیادہ لمبے عرصے تک قائم نہ رہی اور حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ گھر کے مالکوں کو گھر چھوڑنا پڑا اور مہمان گھر کے مالک بن بیٹھے۔

مادی ترقی کے لئے انسان نے موقعوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔

جو لوگ دوستیاں نبھانے، دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنے اور عدل و انصاف جیسے سنہری اصولوں پر ضرورت سے زیادہ عمل پیرا ہوتے ہیں۔ عموماً مادی ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ مال و دولتِ دنیا کے حصول کے لئے بہت سے اصولوں کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ جنہیں وقت سے فائدہ اٹھانے کا فن آتا ہے وہ بہت کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔

بہر حال ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی کے دوامرا نے میانوالی میں گکھڑوں کے قلعہ معظم نگر پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور یوں اس علاقے میں نہ صرف گکھڑ قوت پاش پاش ہو گئی بلکہ طاقت کا توازن ہی بگڑ گیا۔ یہ ایک نادر موقع تھا اور سرسنگھوں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے فوری طور پر جائز و ناجائز ہتھکنڈوں سے کام لے کر دریائے سندھ کے پار موجودہ میانوالی تحصیل میں جہاں وہ پہلے ہی سے پہنچے ہوئے تھے اور پاوندوں کا سا بظاہر عارضی قیام رکھتے تھے۔ مختلف مقامات پر باقاعدہ قبضہ کر لیا۔

نیازیوں کی مختلف ذیلی شاخیں میانوالی کے مختلف علاقوں میں آباد رہو ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم ان میں سے ہر شاخ کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ کریں گے۔

سُنبل قبیلے کا ذِکر

سنبل نیازیوں کے جدامجد کا نام بھی سنبل ہے، جس کا شجرۂ نسب نیازیوں تک یوں نقل کیا گیا ہے۔

"سنبل بن جام بن تورا بن جیم بن دگن بن جمال بن نیازی"

سنبل کے چار بیٹے ہوئے جن کے نام ہوتک، بابو، تاجو اور خواجہ ہیں۔

سنبل کے ان چار بیٹوں میں سے اس قبیلے کی مزید کئی شاخیں عہد ماضی میں بنتی اور بگڑتی رہیں۔

تاریخ کے جتنے آتار چڑھاؤ اس قبیلے نے دیکھے ہیں شاید ہی نیازیوں کی کسی دوسری شاخ نے دیکھے ہوں۔ شیر شاہ سوری کے دور میں نیازیوں کی یہ شاخ تقریباً صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی تھی۔

نیازیوں میں یہی واحد طاقتور قبیلہ تھا جس کا مکھڈ کے نواح میں اپنا قلعہ تھا۔ یہ لوگ بڑی شان وشوکت اور جاہ وجلال کے مالک تھے۔ اس قبیلے نے ایسے ایسے غیور وشجاع فرزند پیدا کئے تھے جو دنیا کی کسی طاقت کے سامنے سر جھکانا نہیں جانتے تھے۔

سب سے پہلے تاریخ نے ان بہادر سنبلوں کو شیر شاہ سوری کے عہد میں آزمائش کیلئے منتخب کیا۔ جب شیر شاہ سوری نے ہیبت خان نیازی کو لاہور وملتان کا صوبیدار بنایا تو ظاہر ہے نیازیوں کا علاقہ بھی ہیبت خان کی

فرمانروائی میں آتا تھا۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں شیر شاہ سوری جہاں نیازیوں کی طاقت سے خائف تھا وہاں وہ اس قبیلے کی ہمدردیوں سے بھی ہاتھ نہیں دھونا چاہتا تھا۔

ہیبت خان نیازی کو پنجاب وملتان کا فرمانروا مقرر کرنا بھی شیر شاہ کی اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ تھا کہ نیازیوں کی زیادہ سے زیادہ ہمدردیاں حاصل کی جا سکیں۔ لیکن ساتھ ہی اس نے اپنے چچا زاد بھائی مبارک خان کو ہیبت خان کی ماتحتی میں رہ کے اس علاقے کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ جہاں نیازی آباد تھے۔ اس وقت سنبل قبیلے کا سردار خواجہ خضر تھا جو اپنے قلعے میں مقیم تھا۔ جب مبارک خان نیازیوں کے علاقے میں آیا تو خواجہ خضر نے خیر سگالی کے طور پر قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔

اسی قلعہ میں رہائش کے دوران مبارک خان نے اللہ داد نامی سنبل کی بیٹی کے غیر معمولی حسن کا چرچا سنا۔ چنانچہ مبارک خان نے اس لڑکی کا رشتہ سنبلوں سے مانگ لیا۔ لیکن سنبل قبیلے نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ انکار کی وجہ یہ تھی۔ کہ مبارک خان سوری ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور نیازی جہاں اپنی عورتوں کے معاملہ میں از حد حساس ہیں وہاں تو میت کے لحاظ سے بھی حد درجہ متعصب ہیں اور ہم بتا چکے ہیں کہ یہ تعصب اس قبیلے کو ننھیال سے ورثتاً ملا ہے

مبارک خان سوری نے اس انکار کو اپنی توہین پر محمول کیا اور نیازیوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ جب کسی قسم کا دباؤ سنبلوں پر کارگر ثابت نہ ہوا تو اس نے ان کی ایک ملازمہ کو اٹھوا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اسی لڑکی

کو اٹھوا لیا تھا (واللہ اعلم) سنبل قبیلے کے غیور و بہادر نوجوانوں نے اُسے اپنی بے عزتی اور توہین سمجھا اور حملہ کر کے مبارک خان سوری کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب اس واقعہ کی اطلاع شیر شاہ سوری کے دربار میں پہنچی تو اس نے ہیبت خان نیازی کو پیغام بھیجا کہ وہ مبارک خان کے قاتلوں کو سزا دے۔ شیر شاہ سوری کا اپنا قبیلہ (سوری) نیازیوں کے مقابلے میں از حد کمزور تھا اور سوریوں کے ذریعے وہ نیازیوں کو سزا نہیں دے سکتا تھا۔

ہیبت خان نیازی شیر شاہ کا پیغام سن کر نیازیوں کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہیبت خان کے آنے کا سن کر سنبل پہاڑوں میں جا چھپے اور وہاں سے ان کا ارادہ کابل کی طرف چلے جانے کا تھا لیکن ہیبت خان نے جب دیکھا کہ سنبلوں کا یوں ہاتھ آنا آسان نہیں تو اس نے انہیں جھانسا دے کر پکڑنے کا منصوبہ بنا لیا اور اس یقین دہانی کے ساتھ کہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچائی جائے گی، مصالحت کے لئے بلا بھیجا۔

سنبل ہیبت خان کے اس جھکے میں آگئے اور پہاڑوں سے نیچے اتر آئے لیکن ہیبت خان نیازی نے وعدہ خلافی کی اور انہیں چاروں طرف سے گھیر کر کم و بیش نو سو (۹۰۰) آدمیوں کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ نو سو (۹۰۰) آدمی قتل کرنے کے بعد باقی ماندہ سنبلوں کو وہاں سے بچ کر بھاگ نکلنے کا موقع فراہم کیا گیا لیکن ان سب بہادروں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ہی مر مٹنا مناسب سمجھا۔ یوں ہیبت خان نیازی نے اپنے ہی بہادر اور غیور قبیلے کا خاتمہ کر کے گویا اپنی

جڑیں خود ہی کھوکھلی کر ڈالیں ۔

اس ناگہانی تباہی کے باوجود بچے کھچے سنبلوں نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا۔ اور اپنی قوت میں خاطر خواہ اضافہ کر لینے کے بعد یہ لوگ دوبارہ دریائے سندھ کے مشرق و مغرب میں ونہکوٹ کے علاقے پر قابض ہو گئے ۔

جب مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کا دور آیا تو اس نے سنبلوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو علاقائی امن کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے اپنے ایک فوجدار کو حکم دیا کہ وہ سنبل نیازیوں پر حملہ کر کے انہیں دریائے سندھ کے مشرقی علاقے سے مار بھگائے ۔ چنانچہ مغل فوجدار نے سنبلوں پر حملہ کر دیا اور انہیں دریائے سندھ کے مشرقی علاقے سے بے دخل کر کے دریا پار دھکیل دیا ۔ لیکن سنبل قبیلہ کے جیالوں نے موقع پاتے ہی اپنا بدلہ اس طرح لیا کہ انہوں نے متذکرہ مغل فوجی چوکی پر حملہ کر کے فوجدار کو قتل کر ڈالا ۔ جواباً مغل حکومت نے ایک اور فوجدار کو سنبلوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ۔ اس جنگ میں سنبلوں کے تمام سورما ماسوائے ان چند نفوس کے جو دریائے سندھ کے پار چلے گئے تھے ۔ داد شجاعت دیتے ہوئے کام آئے ۔ اس لڑائی میں مغل حکومت کو دو لاکھ روپیہ مال غنیمت حاصل ہوا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قبیلے کی مالی حالت بھی خاصی مستحکم تھی ۔

اس دوسری تباہی نے سنبل قبیلے کو کچل کر رکھ دیا ان کی افرادی قوت ختم ہو کر رہ گئی اور وہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل نہ کر سکے ۔ اس غیور اور جانباز قبیلے کے باقیات اب بھی میانوالی میں موجود ہیں یہ لوگ پڑھے لکھے، خوشحال اور اعلےٰ صفات کے حامل ہیں ۔ ان کے بعض افراد حکومت پاکستان کے بڑے

اور اہم عہدوں پر فائز ہیں۔ میانوالی کی مشہور سماجی شخصیت کرنل (ریٹائرڈ) عطاءاللہ خان کا تعلق سنبل قبیلے سے ہے۔

عیسےٰ خیل قبیلے کا ذکر

جس طرح قدامت کے لحاظ سے نیازیوں کا عیسیٰ خیل قبیلہ بہت پرانا ہے اسی طرح عیسیٰ خیل گاؤں بھی نیازیوں کی قدیم ترین آبادی ہے جو اب میانوالی کا ایک تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے۔ اس قبیلے کا تذکرہ ظہیرالدین بابر نے اپنی خودنوشت سوانح حیات "تزکِ بابری" میں کیا ہے۔ یہ قبیلہ اپنے جدِ اعلیٰ عیسیٰ خان کی نسبت سے عیسیٰ خیل کہلاتا ہے۔ جس کا شجرۂ نسب نیازی تک یوں ہے۔

"عیسیٰ بن عمر بن خرڑ بن حام بازام بن نور بن جیم بن دگن بن جال بن نیازی"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عیسیٰ خیل قبیلے کا جدِ امجد اور مورثِ اعلیٰ عیسیٰ بن عمر وہی عیسیٰ خان ہے جو شیر شاہ سوری کا مشہور امیر اور جرنیل تھا اور جو عہدِ اکبری تک زندہ رہا۔ لیکن یہ خیال درست نہیں کیونکہ شیر شاہی امیر عیسیٰ خان کو عیسیٰ خیل قبیلے کا مورثِ اعلیٰ تسلیم کرنے سے یہ لاجواب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس قبیلے کا ذکر تزکِ بابری میں ملتا ہے وہ کس عیسیٰ خان کی نسبت سے

عیسیٰ خیل کہلاتا تھا۔ کیونکہ جس انداز میں تزکِ بابری میں اس قبیلے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۵۰۵ء میں یہ قبیلہ خاصی افرادی قوت کا حامل تھا۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ عیسیٰ خان کا زمانہ اس وقت سے کئی پشت پہلے کا یعنی غزنوی یا کم از کم غوری دور کے لگ بھگ ہونا چاہیئے۔ ہاں یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ سوری دور کے مشہور جرنیل عیسیٰ خان کا تعلق عیسیٰ خیل قبیلے کی کسی ذیلی شاخ سے ہو۔ بشرطیکہ کوئی قابلِ اعتماد ثبوت مل جائے۔

اس موقع پر سوری دور کے عیسیٰ خان کی سوانح حیات کا مختصر تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

سنہ ۹۲۶ھ بمطابق ۱۵۲۰ء شیر شاہ سوری نے مشرقی افغانوں میں شان و شوکت پیدا کر لی اور ان کا سرغنہ بن گیا۔ عیسیٰ خان نیازی جس کا شمار اس دور کے مشہور امرائ اور سرداروں میں ہوتا تھا۔ اپنے دیگر نیازی بھائیوں کیطرح شیر شاہ سوری کے ساتھ مل گیا۔ شیر شاہ سوری نے ان لوگوں کی مدد سے سنہ ۹۴۶ھ بمطابق ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کو شکست دے کر ہندوستان کے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا۔ عیسیٰ خان نیازی شیر شاہ سوری کے تمام تر دورِ حکومت میں اُسکے دربار سے وابستہ رہا اور اس کا شمار دربار شاہی کے نہایت معتمد امراء میں ہوتا تھا۔

شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد جب اس کے دونوں بیٹوں عادل خان سوری اور جلال خان سوری کے درمیان حصولِ اقتدار کے سلسلے میں جھگڑا پیدا ہو گیا

تو شیر شاہ کا چھوٹا بیٹا جلال خان عیسٰی خان نیازی ہی کی وجہ سے ہند کا والی و تاجدار بنا اور اپنے بڑے بھائی عادل خان پر غالب آیا۔

جب جلال خان نے ہند کے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا تو اس کے بڑے بھائی عادل خان نے درخواست کی کہ اسے گزارے کے لئے الگ جاگیر دے دی جائے۔ اور اس کے جان و مال کے تحفظ کی ضمانت عیسٰی خان نیازی اور خواص خان فراہم کر دیں تو وہ آئندہ زندگی میں ہندوستان کے تاج و تخت کی تمنا نہیں کرے گا۔ چنانچہ عیسٰی خان نیازی اور خواص خان نے جلال خان سے ضروری قول و اقرار لینے کے بعد عادل خان کو مطلوبہ ضمانت دے دی لیکن جلال خان نے اپنے ان امرأ کی ضمانت اور قول و قرار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عادل خان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جس پر عیسٰی خان نیازی اور خواص خان اسکی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور اسکے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا لیکن یہ بغاوت کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی اور انجام کار نیازیوں کے مشہور امرأ اور جرنیل جن میں شمس خان نیازی، قطب خان نیازی، زین خان نیازی، سیف خان نیازی، سعید خان نیازی اور ہیبت خان نیازی شامل تھے۔ یکے بعد دیگرے جلال شاہ کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ لیکن عیسٰی خان نیازی کسی نہ کسی طریقے سے بچ نکلا۔ جلال خان کی وفات کے بعد جب زمام حکومت اس کے بہنوئی عادل شاہ سوری کے ہاتھوں میں آئی تو عیسٰی خان نیازی پھر سے اس کے امرأ میں شامل ہو گیا۔

اسی دوران عادل شاہ سوری کے ایما پر اس کے ایک باغی بھتوئی ابراہیم خان سے عیسٰی خان نے جنگ بھی کی لیکن اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ عادل شاہ

سوری کے مختصر سے دورِ حکومت کے بعد جب اقتدار سکندر شاہ سوری کے ہاتھ آیا تو عیسیٰ خان نیازی بھی اس کے جرنیلوں اور امیروں میں شامل تھا۔
اسی دور میں عیسیٰ خان نیازی کی زیر کمان مغل شہزادے ہمایوں سے ایک جنگ لڑی گئی جس میں عیسیٰ خان کو شکست ہوئی۔

بعد ازاں جب مغل شہنشاہ اکبر کا دورِ حکومت آیا تو اس وقت عیسیٰ خان پٹنہ کا حاکم و قلعدار تھا۔ اکبر اعظم نے منعم خان کی سربراہی میں پٹنہ کی طرف ایک فوجی مہم بھیجی جس میں عیسیٰ خان اپنا دفاع کرتا ہوا کام آیا۔
اسلام شاہ سوری کے ہاتھوں تباہی کے بعد عیسیٰ خیل قبیلے کو باقی ماندہ نیازی قبائل کی نسبت دوبارہ آباد ہونے میں کم مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اور فوراً ہی یہ قبیلہ (عیسیٰ خیل) موجودہ قصبے عیسیٰ خیل کے نواح میں ازسرِنو آباد ہو گیا۔ جبکہ نیازیوں کی سرہنگ شاخ مدت تک خانہ بدوشی کی حالت میں رہی اور اسے کوئی مامن و مسکن میسر نہ آسکا۔

موجودہ عیسیٰ خیل قبیلے کے اجداد اس نیازی قبیلے کے جوارح تھے جو شلگمہ سے نکل کر پہلے ٹانک اور پھر مروت میں آ جاگزیں ہوا۔ اور یہاں سے پندرہویں صدی کے لگ بھگ مروت قبیلے کے دھاوے کے نتیجے میں بیدخل ہو کر اس موجودہ عیسیٰ خیل کے علاقے میں آ ڈیرہ جمایا۔ لیکن اس علاقے کو اپنے تصرف میں لینے کے لئے نیازیوں کو یہاں پہلے سے آباد ایک ہندو قوم سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اس وقت ذیلاں ایک جاٹ قوم للی بلیہم آباد تھی۔ نیازیوں نے ان پر حملہ

کر کے ان کے قبضے سے وہ سارا علاقہ چھین لیا جو اب گا جرانوالہ، گدڑانوالہ۔ پچورانوالہ، مسیت، کوٹ عمر خان، کچہ نور زمان شاہ، کنڈل، اٹک پنیالہ کھگلانوالہ اور کلوانوالہ کہلاتا ہے۔

علاقے پر قبضے کے بعد نیازی مختلف جگہوں پر بیٹھ گئے۔ عیسیٰ خیل قبیلہ جہاں ابتداً آباد ہوا۔ اس بستی کا نام ترنا تھا۔ ترنا پشتو زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی پانی کی گزرگاہ کے ہیں۔ چونکہ عیسیٰ خیل کا قدیم گاؤں دریائے سندھ کے عین کنارے پر تھا اس لئے اس کا نام ترنا پڑ گیا تھا۔ بعدازاں جب یہ گاؤں دریا برد ہو گیا۔ تو یہ قبیلہ وقتاً فوقتاً ٹلانوالہ، کچی ابیرانوالی اور کس عمر خان وغیرہ کے مقامات پر آباد ہوتا رہا۔ کیونکہ دریائے سندھ اور کرم میں وقتاً فوقتاً سیلاب آنے کی وجہ سے ان کی آبادیاں دریا برد ہوتی رہیں۔ اور یہ لوگ اپنا مسکن بدلتے رہے بالآخر عیسیٰ خیل کے ایک نامور رئیس احمد خان نے موجودہ قصبہ عیسیٰ خیل کی بنیاد رکھی،

عیسیٰ خیل ایک باہمت اور دلیر قبیلہ تھا۔ سروث سے نکل کر جب نیازی موجودہ عیسیٰ خیل میں آئے تو یقیناً ان کی عیسیٰ خیل شاخ ہی ان میں سرداری کی حامل تھی۔ کیونکہ للی بلیہم کو نکالنے کے بعد وہاں بہترین اراضی پر انہیں کا قبضہ ہوا۔ بعد میں بھی یہ قبیلہ باقی نیازیوں سے نمایاں رہا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب بابر ۱۵۰۵ء میں اس علاقے میں آیا تو اس نے باقی نیازی قبائل میں سے ان کا نام ممیز کر کے لیا۔ وہ ان کی دلیری اور قوت سے آگاہ تھا۔ اسے ان کی طرف سے شب خون کا خطرہ تھا۔ جو صحیح ثابت ہوا۔ بابر کے لشکر پر شب خون مارنے والے معمولی آدمی نہیں ہو سکتے۔ لیکن بعد

میں عیسیٰ خیلیوں نے لودھی اور سوری ادوار میں سرہنگوں کی طرح کاروبارِ سلطنت میں کھُل کر حصّہ نہیں لیا۔ انہوں نے زیادہ توجہ اپنے علاقے میں خود کو مستحکم کرنے میں صرف کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جس وقت سرہنگ زیرِ عتاب آ کر علاقے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے یہ اپنے مقامات پر آباد رہے۔

عیسیٰ خیل قبیلے میں بڑے نامی گرامی لوگ پیدا ہوئے جن میں سے خان زمان خان کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جو عیسیٰ خیل قبیلے کی ذیلی شاخ خانزئے خیل کا جدامجد تھا۔ کہتے ہیں کہ خانزمان خان نیازی نے اپنے دوسو (۲۰۰) ہمراہیوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی فوج میں شامل ہو کر مرہٹوں کے خلاف جہاد میں حصّہ لیا تھا۔ اور پانی پت کے میدان میں اپنی بہادری کے ایسے جوہر دکھائے کہ اعتراف کے طور پر احمد شاہ ابدالی نے اسے انعام میں تلوار پیش کی۔ شنید ہے کہ وہ تلوار اب بھی خوانینِ عیسیٰ خیل کے پاس موجود ہے علاوہ ازیں عمر خان اور احمد خان بھی اپنے زمانے کے نامور رئیس تھے۔ اول الذکر نے اپنے قبیلے کی زمینوں کی سیرابی کے لئے نالۂ کرم سے ایک نہر نکلوائی جو کس عمر خان کے نام سے مشہور ہوئی۔ جبکہ ثانی الذکر موجودہ قصبۂ عیسیٰ خیل کا بانی ہے۔

احمد خان مذکور نے سکھوں کے دور میں انہیں خراج دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُسے عیسیٰ خیل سے ہجرت کرنا پڑی اور وہ متواتر کئی سال تک وزیرستان اور اس کے نواحی علاقوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ لیکن اس کی غیرت نے کبھی یہ گوارا نہ کیا کہ وہ سکھوں کا باجگذار بن کر رہے۔

موجودہ عیسیٰ خیل قبیلہ کئی ذیلی خیلیوں پر مشتمل ہے۔ جن میں مموخیل،

اکو خیل، خانزسے خیل ۔ لالی بھمبیرے، کالے بھمبیرے، ملتانی خیل، عمر خیل، بیرابش خیل، بہادر خیل، صابو خیل، غازی خیل اور سپنے خیل وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں ۔

اس قبیلے کی موجودہ دور کی مشہور شخصیات ہیں مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، مقبول احمد خان، سابق وفاقی وزیر برائے اوقاف، ومذہبی امور، گلوکار عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی اور میانوالی کی مشہور سماجی شخصیت کرنل (ریٹائرڈ) اسلم خان شامل ہیں ۔

مشانی قبیلے کا ذکر

مشانی قبیلے کے جد امجد کا نام بھی مشانی تھا جو خاکو بن نیازی کا تیسرا بیٹا تھا۔
مشانی قبیلہ دو حصوں میں تقسیم ہے۔

۱۔ مشانی ۲۔ داؤد خیل

اب ہم ان قبیلوں کا باری باری تذکرہ کریں گے۔

داؤد خیل

مروت قبیلے سے شکست کھانے کے بعد عیسٰی خیل اور مشانی قبیلہ نے نالہ کرم کے کنارے واقع زرخیز زمینوں کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ ان کی آمد سے پہلے ان زمینوں پر ایک ہندو قوم للی بلیہم قابض تھی نیازیوں نے اس قوم کو لڑائی کے بعد ان زمینوں سے بے دخل کر دیا اور خود قابض و متصرف ہو گئے۔ بعد ازاں نیازی قبائل نے جب آپس میں الاضی تقسیم کی تو مشانی قوم کے مورثِ اعلیٰ مشانی اور اس کے بیٹوں عمر خان، اللہ داد خان، داؤد عرف دادی اور موندی خان وغیرہ کو موجودہ کمر مشانی کی اراضی حصہ میں ملیں۔ کچھ عرصہ تک تو یہ قبیلہ وہیں تک محدود رہا۔ لیکن جب میانوالی (پرگنہ کچھی) میں گکھڑوں کی حکومت کو زوال آیا اور سرہنگ قبائل نے گکھڑوں، اعوانوں اور جاٹوں کی اراضی پر قبضے کرنے شروع کیے تو مشانی قبیلے کے بزرگوں کو بھی یہی لالچ دریائے سندھ کے اس پار کھینچ لایا۔ چنانچہ ان لوگوں نے موجودہ داؤد خیل کی اراضی پر اپنا قبضہ و تصرف جما لیا۔ لیکن شاید کم اراضی پہ قابض ہو سکنے کی وجہ سے صرف

دادی و موندی ہی وہاں آباد ہوئے ۔ اور مشانی کے دوسرے بیٹے عمر حیات اور اللہ داد واپس کمر مشانی چلے گئے۔ موجودہ گاؤں داؤد خیل مشانی کے بیٹے داؤد عرف دادی کے نام پر ہے ۔ اور اس میں دادی و موندی کی اولادیں آباد ہیں۔

کمر مشانی ہم داؤد خیل کے ذکر میں بیان کر چکے ہیں کہ مشانی قبیلہ کے جدِ امجد مشانی کے بیٹے دادی و موندی داؤد خیل میں آباد ہو گئے ۔ جب کہ زمین کم ہونے کی وجہ سے اس کے دوسرے بیٹے عمر حیات واللہ داد واپس دریا پار کر کے پھر سے کمر مشانی کے علاقے میں آ گئے اور وہاں اپنے والد مشانی کے نام پہ گاؤں کمر مشانی کی بنیاد رکھی ۔ اراضی پہ قبضے کی اس مہم کے دوران مشانی کے ساتھ کچھ دیگر قبائل بھی تھے ، جن میں مسمیان مرغہ ، موسی ، عباس غلام محمدؐ اور صاحب خان کے خاندان شامل ہیں ۔ ان خاندانوں کے اخلاف بھی کمر مشانی میں آباد ہیں ۔ جو بالترتیب مرغے ، موسی خیل ، میہار ، خدوزئی اور صاحبو خیل کہلاتے ہیں ۔ یہ لوگ نہایت غیور ، بہادر اور جنگجو تھے ۔ یہ بھی نیازیوں کے ساتھ ہی یہاں وارد ہوئے لیکن میہار کے سوا دوسروں کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا تعلق کس قبیلے سے ہے ۔ میہار خاندان البتہ میہار بن خاکو بن نیازی کے اخلاف سے ہے اور یوں سرہنگوں کا بھائی بند قبیلہ ہے ۔

۱۹۰۵ء میں کمر مشانی کا پورا موضع دریا برد ہو گیا تھا اور متواتر پانچ سال تک دریا کے پیٹ میں رہا ۔ اس دوران مشانی قبیلہ کے لوگ ارد گرد کے

علاقوں میں منتشر ہو کر گزر بسر کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں یہ علاقہ پھر سے دریا کے پیٹ سے نو نکل آیا لیکن حکومت نے اسے سرکاری اراضی قرار دے دیا جس کی حیثیت سنہ ۱۹۴۴ء تک متواتر سرکاری اراضی کی سی رہی لیکن بعد میں مشانی معززین کی کوششوں سے یہ رقبہ انہیں واپس مل گیا۔

علاقہ واپس ملنے پر مشانی معززین نے اس کی چار وڑھیاں (محلے) بنائیں اور ان کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقے سے کی:۔

۱۔ وڑھی دادی خیل — اس میں چار قبیلے آباد ہوئے:۔

(ا) لعل بیگ خیل

(ب) دھنائی خیل

(ج) تانی خیل

(د) سرمست خیل

۲۔ وڑھی استان — اس میں مندرجہ ذیل قبیلے اور خاندان آباد ہوئے۔

(ا) گڈو خیل

(ب) شادی خیل

(ج) جلو خیل

(د) موسی خیل

(ح) تاز خیل

(ر) راجمیر خیل

(س) الی خیل

(ط) مندر خیل

۳۔ ورڑھی لوہان:۔ یہ وڑھی مندرجہ ذیل خاندانوں پر مشتمل ہے۔

(ا) لوہان خیل

(ب) ختنو خیل

(ج) کمال زئی

۴۔ اللہ خیل:۔ یہ وڑھی مندرجہ ذیل قبیلوں پر مشتمل ہے۔

(ا) اللہ خیل

(ب) مُرغہ

۵۔ وڑھی سلطان المعروف تانی خیل:۔ اس وڑھی میں مندرجہ ذیل خاندان رہتے ہیں

(ا) دریا خیل

(ب) شہباز خیل

(ج) عبدی خیل

(د) سلیمے خیل

(ہ) اسپار خیل

(ک) سبی خیل

(ل) سلار خیل

یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے دور سے سکھوں کے دور تک کرمشانی کے لوگ لگان یا مالیہ ادا نہیں کرتے تھے۔ اور جب کوئی سرکاری کاردار لگان وصول کرنے آتا تو یہ لوگ گاؤں کو ویران چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جایا کرتے تھے۔ طوائف الملوکی کے دور میں جب لگان کی وصولی کا کام مقامی نوابوں کے ہاتھ میں آیا تو ایک کاردار دیوان مانک رائے نے ان لوگوں پر از حد سختی کی۔

اور انہیں متواتر ایک برس تک اپنی زمینوں پر واپس نہ آنے دیا۔ یہ لوگ منتشر ہو کر ارد گرد کے دیہاتوں میں خانہ بدوشوں کی سی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن لگان پھر بھی نہیں دیا۔ بعد میں جب لگان کی وصولی کا کام خوانین عیسٰی خیل کے ہاتھ میں آیا تو ان لوگوں نے بھی لگان دینا شروع کر دیا۔

موضع ترپی کا ذکر

جس زمانہ میں ان علاقوں پر نواب صاحب کی عملداری تھی جنگی خان، مُرغہ اور علی اللہ خان نے مل کر ایک بستی آباد کی جس کا نام ترپی مشہور رہا۔ لیکن سکھوں کے دور میں یہ لوگ آپس میں لڑ پڑے اور ترپی کو ویران چھوڑ کر مختلف دیہاتوں میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ تک وہاں گزر بسر کی۔ لیکن بعد میں ان دونوں کی آپس میں صلح ہو گئی اور دوبارہ ترپی کو انہوں نے از سرِ نو آباد کیا جو اب بھی آباد ہے۔

کمر مشانی کی وجہ تسمیہ

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مشانی اس قبیلے کے جد امجد کا نام تھا۔ جب کہ کمر پشتو زبان میں کنارۂ دریا (من) کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ قصبہ دریا کی من پر واقع تھا۔ لہٰذا اس کا نام کمر مشانی مشہور ہو گیا۔

موسیٰ خیل قبیلے کا ذکر

موسیٰ خیل قبیلہ میانوالی سے تیرہ میل (اکیس کلو میٹر) مشرق کیجانب راولپنڈی روڈ پر کوہستان نمک کی ڈھک پہاڑی کے دامن میں آباد ہے۔ اس قبیلے کے جد امجد کا نام موسیٰ خان تھا جو سرہنگ قبیلے کا چشم و چراغ تھا۔ اسکا شجرہ نسب نیازی بن لودھی تک اسطرح پہنچتا ہے "موسیٰ بن بھرت بن سرہنگ بن آلا بن عیسیٰ بن خاکو بن نیازی بن لودھی" موسیٰ بھرت کے تین بیٹوں میں سے ایک تھا باقی دو کے نام زکو اور طوطی تھے۔ زکو کی نسل سے روکھڑی قبیلہ وجود میں آیا۔ طوطی کے تین بیٹے ہوئے جنکے نام پائی خان، سلطان خان اور بوری خان تھے۔ یہ تینوں بالترتیب پائی خیل سلطان خیل اور بوری خیل قبیلوں کے سورثانِ اعلیٰ ہیں بالفاظ دیگر پائی خان، سلطان خان اور بوری خان وغیرہ موسیٰ خان کے بھتیجے تھے۔ اسلام شاہ سوری کے دور میں ہیبت خان نیازی کی بغاوت کیوجہ سے سرہنگ قبیلے کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ انہیں سمٹ کر واپس داماں میں پناہ لینا پڑی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب سوری خاندان کی حکومت کا سورج غروب ہوگیا اور ہندوستان میں دوبارہ مغل سلطنت کا قیام عمل میں آگیا تو سرہنگ قبائل نے پھر سے شمال مشرق میں اپنی سابقہ چراگاہوں کی راہ لی۔ اور سروت علاقے میں پہنچ گئے۔ سروت قبیلے نے ان سے گلو خلاصی کے لئے ان ہی کے ایک بھائی بند قبیلے مہیار کو اپنے ساتھ ملاکر ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت سرہنگ قبیلے کا سردار مدی خان تھا۔ یاد رہے کہ مدی خان اسی موسیٰ خان کی نسل سے تھا جو سرہنگوں کے مشہور قبیلے موسیٰ خیل کا جدّ اعلےٰ تھا (مدی خان مذکور کی نسل سے بعد میں مدی خیل قبیلہ ظہور پذیر ہوا جو موسیٰ خیل قبیلے کی ایک ذیلی شاخ کے طور پر اب بھی موجود ہے)

بہرحال سروتوں کے اس ناگہانی حملے اور مہیاروں کی بے وفائی نے سرہنگ قبائل کو مشکل میں پھنسا دیا۔ انہیں پہلے ہی سابقہ لڑائیوں نے بے حال کر رکھا تھا

اور وہ قطعاً اس حالت میں نہ تھے کہ مروت و میہیار قبیلے کے تازہ دم جوانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ ابھی توان کے سورپوں کے لگائے ہوئے زخم بھی مندمل نہیں ہوئے تھے لیکن جب ان پر حملہ کر دیا گیا تو ناچار انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا۔ سرہنگ اس لڑائی میں بڑی دلیری سے لڑے لیکن طاقتور دشمن کے سامنے کوئی پیش نہ گئی۔ اور انہیں نہ صرف شکست سے دوچار ہونا پڑا بلکہ ان کا نامور سردار مدی خان بھی مارا گیا، نتیجتاً انہیں مروت علاقے سے نکلنا پڑا۔

اب سرہنگ اپنے ہم نسل نیازی قبائل یعنی عیسیٰ خیل اور مشانی کے پاس موجودہ تحصیل عیسیٰ خان کے علاقے میں آپہنچے۔ لیکن یہاں بھی انہیں کوئی مناسب ٹھکانہ نہ ملا۔ کام کی زمینوں اور چراگاہوں پر عیسیٰ خیل اور مشانی پہلے ہی قابض تھے اور وہ سرہنگوں کو ان جگہوں میں سے حصہ دینے پر آمادہ نہ تھے۔ البتہ انہوں نے مختلف جگہوں پر ان کے عارضی قیام پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ چنانچہ یہاں آکر بھی سرہنگ عرصۂ دراز تک بے گھر رہے۔

اسی عالمِ خانہ بدوشی میں ان میں سے اکثر نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور پھر آہستہ آہستہ موجودہ علاقہ میانوالی میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ موسیٰ خیل قبیلے نے بھی اسی دور میں دریائے سندھ عبور کیا اور کوہستانِ نمک کی ڈھک اور تک پہاڑیوں کے دامن میں آپہنچے۔

روایت کے مطابق سب سے پہلے اس علاقے میں جو اب موسیٰ خیل کہلاتا ہے عبدالکریم باہی اور لدھو (لدھو خیل قبیلے کا جدِّ اعلیٰ) آئے۔ باہیوں اور لدھو خیلوں کے بعد سلطان خیل آئے۔ ازاں بعد ان لوگوں کی دیکھا دیکھی موسیٰ خیل بھی اپنے

ریوڑ چراتے آ پہنچے۔ خیال ہے کہ ان کو اس علاقے میں بیٹھنے پر کسی مدافعت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہ سب قبیلے کافی عرصہ تک خانہ بدوشوں کی حیثیت میں یہاں قیام پذیر رہے اور مویشی چرا کر گزارہ کرتے رہے۔ لیکن جب علاقہ کچھی (میانوالی) میں گکھڑوں کی صدیوں کی عملداری احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں ختم ہوگئی تو باقی نیازی قبائل کی طرح ان لوگوں نے بھی موجودہ موسیٰ خیل کے علاقے پر اپنا تسلط قائم کیا۔

سلطان خیل اور موسیٰ خیل قبائل کچھ عرصہ تک بڑے امن وچین سے ایک دوسرے کے پڑوس میں زندگی گزارتے رہے لیکن سوئے اتفاق سے ایک ایسی بات ہوگئی جو بالآخر سلطان خیل قبیلے کے قتلِ عام اور علاقہ بدری پر منتج ہوئی۔

پہلے سے آباد ہونے کی وجہ سے پانی کا منبع سلطان خیل قبیلے کے پاس تھا۔ چنانچہ موسیٰ خیل قبیلے کی عورتوں کو پانی پینے کے لئے ان کی بستی کے قریب جانا پڑتا تھا۔ ایک دو دفعہ ایسا ہوا کہ چند سلطان خیل نوجوانوں نے ان کی بعض عورتوں سے چھیڑ چھاڑ اور گھٹیا گفتگو کی کوشش کی۔ پھر ایک دن جب موسیٰ خیل قبیلے کی چند عورتیں سروں پر پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اٹھائے آرہی تھیں کہ ان آوارہ منش نوجوانوں نے غلیلوں سے پتھر مار کر ان کے گھڑوں میں چھید کر دیئے۔

اس زیادتی پر موسیٰ خیل کے معززین نے باہی قبیلے کے ایک بزرگ آدمی کے ذریعے سلطان خیلوں کے بڑوں سے شکایت کی لیکن انہوں نے رعونت سے بات کو ٹال دیا۔ کہتے ہیں کہ اس باہی بزرگ نے سلطان خیلوں کے تکبر کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ آج سے موسیٰ خیل چھریاں اور تم خربوزے ہو اب موسیٰ خیل قبیلے کے پاس سوائے بدلہ لینے کے کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن وہ عددی

لحاظ سے کمزور ہونے کی وجہ سے سلطان خیلوں سے براہ راست لڑائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ چنانچہ ان سے نپٹنے کے لیئے انہوں نے ایک چال چلی۔
منصوبے کے مطابق انہوں نے سلطان خیل قبیلے کو دعوتِ طعام دی۔
اور بظاہر ایک شاندار دعوت کا اہتمام کر کے خیر سگالی اور افہام و تفہیم کا اظہار کیا جب سلطان خیل وہاں پہنچے تو ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور بڑے احترام سے جائے طعام تک پہنچایا گیا۔ لیکن انہیں کھانے کا شاید ایک آدھ لقمہ ہی نصیب ہوا ہو کیونکہ وہ ہتھیار رکھ کر جونہی کھانے کے لیئے بیٹھے موسیٰ خیل قبیلے کے مسلح جوانوں کا دستہ جو قریب ہی کہیں گھات لگائے بیٹھا تھا بلائے ناگہانی کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا اور سب کو تہہ تیغ کر دیا۔ یوں سلطان خیلوں کی افرادی قوت کا وہ بُت پاش پاش ہو گیا جس کے بل بوتے پر وہ دوسروں کی عزت سے کھیلنے پر تلے بیٹھے تھے۔

اس ناخوشگوار واقعہ کے بعد سلطان خیل قبیلے کے بچے کھچے لوگ واپس دریائے سندھ کے پار چلے گئے اور وہاں قصبہ سلطان خیل میں جا بسے۔ یہ واقعہ سکھا شاہی دور میں پیش آیا۔

سلطان خیلوں کے چلے جانے کے بعد موسیٰ خیلوں نے ان کی چھوڑی ہوئی تمام اراضی پہ تصرف مالکانہ کر لیا۔

موسیٰ خان کا صرف ایک بیٹا تھا جس کا نام احمد تھا۔ لیکن احمد بن موسیٰ کو اللہ تعالےٰ نے آٹھ فرزند عطا کیئے تھے۔ ان میں سے بویا، خرٹ، استان اور خذر کی اولادوں کے متعلق تو ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا تھیں بھی سہی یا نہیں۔ اگر تھیں

تو ان کے بانیات اب کہاں ہیں ؟ لیکن باقی حضرات کی اولادیں خوب پھولیں پھلیں اور ان میں سے مختلف ذیلی قبیلے وجود پذیر ہوئے۔

موبن احمد کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جو سکندر لودھی کے مشہور امیر عمر خان کا باپ تھا جس نے نیازیوں میں سے سب سے پہلے سلطان بہلول لودھی کے دربار میں ملازمت اختیار کی۔ عمر خان اور اس کا لڑکا ہیبت خان عرصۂ دراز تک سلاطین دہلی کے با اعتماد امرا میں شامل رہے اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ہیبت خان نیازی شیر شاہ سوری کا ایک معتمد جرنیل تھا اس کی بہادری اور جانبازی کی داستانیں تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔ شیر شاہ سوری نے اس کی جنگی خدمات اور انتظامی صلاحیتوں کے پیش نظر اس پر خصوصی نوازشات کیں۔ پہلے اسے اعظم ہمایوں اور مسندِ اعلیٰ کے خطابات عطا کئے پھر پنجاب اور ملتان کا گورنر بنا دیا۔

ہیبت خان شیر شاہ کا از حد وفادار رہا۔ شیر شاہ سوری کی نوازشات اور احسانات اس کے دل پہ نقش تھے اس کا اندازہ ان واقعات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے جو اس کی گورنری کے دور میں سنبلوں کے سلسلے میں پیش آئے۔ جب سنبلوں نے شیر شاہ سوری کے چچازاد مبارک خان عاملِ کچھی کو قتل کر دیا تو ہیبت خان نے شیر شاہ سوری کے حکم پر انہیں کڑی سزا دی۔ حالانکہ سنبل اس کے بھائی بند اور ہم نسب تھے۔

شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد ہیبت خان اس کے بیٹے اسلام شاہ کا بھی وفادار رہا اور کافی عرصہ تک اس کا مطیع رہا۔ جبکہ اکثر نیازی امرا بشمول اس

کا بھائی سعید خان نیازی سے کے اسلام شاہ کے مخالف اور زیرِ عتاب تھے ہیبت خان نے اسی وقت اسلام شاہ کے خلاف بغاوت کی جب اس کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں۔ اس نے بہت سے نیازی امرأ کو نہایت ظالمانہ طریقے سے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے روندوا دیا۔ جب کہ باقیوں کو بھاگ کر جان بچانا پڑی جبکہ ہیبت خان کا اپنا بھائی سعید خان بہ مشکل جان بچا کر اس کے پاس لاہور پہنچا اسلام شاہ نے ہیبت خان کا کچھ لحاظ نہ کیا اور اس کی وفاداری کی ذرا بھی قدر نہ کی۔ بلکہ اسے دربار میں طلب کر لیا۔ اس طرح وہ دھوکے سے اسے بھی قتل کروانا چاہتا تھا

الغرض ہیبت خان نے کوئی اور راہ نہ پا کر باغی امرأ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا اور چالیس ہزار گھوڑ سواروں کے ساتھ جن میں نیازی، یوسف زئی اور کئی دیگر قبائل شامل تھے۔ اور خود نیازیوں کی تعداد بارہ ہزار سے کم نہ تھی۔ باغی امرأ کا ساتھ دینے چل پڑا۔

انبالہ کے قریب شاہی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا۔ لیکن خواص خان جو ان کا اتحادی تھا کے انحراف کی وجہ سے اسے شکست ہوئی اور وہ دریائے سندھ کے پار دین کوٹ کی طرف نکل گیا۔ اس دوران اسلام شاہی سالار خواجہ اویس سروانی نے ان کا تعاقب کیا۔ ہیبت خان نے اُسے توعبرتناک شکست دے کر بھگا دیا۔ لیکن شاہی فوج کے دباؤ کی وجہ سے اُسے دین کوٹ چھوڑ کر پہلے گکھڑ سرداروں کے پاس اور پھر کشمیر میں پناہ ڈھونڈنا پڑی۔ لیکن اس کے نام نہاد دوست راجہ کشمیر نے اسے دھوکا دیا۔ اور وہ اپنے بھائیوں سمیت قتل کر دیا گیا

یہ واقعات تفصیلاً پہلے بیان ہو چکے ہیں لہٰذا ان کا دوہرانا مناسب نہیں

البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ سوریوں نے نیازیوں خصوصاً ہیبت خان جیسے جرنیل اور منتظم کی قدر کی ہوتی اور انہیں یوں ضائع نہ کیا ہوتا تو سوری حکومت کا اتنی جلدی تیا پانچا نہ ہوتا۔ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر پنجاب کا گورنر ہیبت خان اور سوری سپاہ میں نیازی امرا اور جوان موجود ہوتے تو ہمایوں کبھی بھی ہندوستان میں دوبارہ قدم جمانے میں کامیاب نہ ہوتا اور مغلیہ سلطنت نام کی کوئی چیز تاریخ کے اوراق میں نہ ملتی۔

بہر حال احمد بن موسیٰ کے اس بیٹے مو کی نسل سوریوں سے لڑائی کے نتیجے میں مکمل طور پر معدوم ہو گئی۔ کیونکہ ہیبت خان اور اس کے بھائیوں کے بیوی بچے قید کر کے اسلام شاہی دربار میں بھیج دیئے گئے تھے جن کے انجام کے متعلق تاریخ کے صفحات خاموش ہیں۔

احمد بن موسیٰ کے باقی تین بیٹوں یعنی کنڈی، رادی اور عیسب کی اولاد میں موجودہ گاؤں موسیٰ خیل میں بدستور موجود ہیں۔ کنڈی اور رادی سے بالترتیب کنڈی خیل اور رادی خیل قبیلے وجود پذیر ہوئے جب کہ عیسب کی نسل سے مدی خیل۔ خلاص خیل، خنجری خیل، باری خیل، رامی خیل، مچھر خیل اور میرے خیل جیسے ذیلی قبائل وجود میں آئے۔

مدی خیل قبیلہ اپنے نامور جد اعلیٰ مدی خان کی نسبت سے مشہور ہے مدی خان اپنے دور کا شہ زور اور بہادر انسان تھا۔ اپنے زمانے میں نہ صرف موسیٰ خیل قبیلے بلکہ تمام سرہنگ قبائل کا سردار تھا۔ سرہنگوں نے مروتوں کے خلاف آخری لڑائی اسی مدی خان کی قیادت میں لڑی تھی۔

جب مدی خان اس لڑائی میں قتل ہو گیا تو تمام سرنگ قبائل کی طاقت مفلوج ہو کر رہ گئی اور یہ لوگ انتشار کا شکار ہو گئے کیونکہ مدی خان سرنگ قبائل میں اتحاد و یگانگت کی علامت تھا۔ مدی خان کی بہادر اور غیور اولادیں موسیٰ خیل میں قبیلے کی شکل میں بکثرت آباد ہیں۔

خلاص خیل قبیلہ اپنے جدِ اعلیٰ خلاص خان کی نسبت سے معروف ہوا۔ جو اپنے دور میں موسےٰ خیل قبیلے کا سردار تھا۔ موسیٰ خیل کی سرداری بعد میں اس خلاص خان کی اولاد میں نسل در نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہے اور اس سلسلے کا آخری سردار عبدالکریم خان ہے جو بعض وجوہ کی بنا پر موسیٰ خیل گاؤں چھوڑ کر بھکر میں مقیم ہو گیا ہے۔ خلاص خان کا زمانہ اٹھارہویں صدی عیسوی کا ہے۔

اگرچہ خلاص خان انتظامی لحاظ سے نہایت سخت گیر انسان تھا۔ لیکن اس کے باوجود موسےٰ خیل گاؤں کی تاریخ میں اس کا نام ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے قبیلے کے تمام لوگوں کو حکم دے رکھا تھا کہ جس کے گھر لڑکا پیدا ہو۔ سب سے پہلے اُسے دکھایا جائے۔ اگر لڑکا تندرست و توانا اور قد کاٹھ والا معلوم ہوتا تو فبہا ورنہ اسے قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح عرصۂ دراز تک خلاص خان کے ہاتھوں نہ جانے کتنی ماؤں کی گودیں اُجڑتی رہیں، لیکن جس چیز نے خلاص خان کو موسیٰ خیل قبیلے کی زندہ و جاوید شخصیت بنا دیا وہ خلاص خان اور ساگری کا قصہ ہے۔

خلاص خان کے دور میں گکھڑوں کا ایک سردار سلطان سارنگ راولپنڈی، جہلم، تلہ گنگ، خوشاب اور میانوالی کے علاقوں سے ٹیکس وصول کیا کرتا تھا۔ ٹیکس میں غلہ

اور مویشیوں کے علاوہ کنواری لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ لیکن خلاص خان نے اپنے قبیلے کی طرف سے ٹیکس میں لڑکی دینے سے صاف انکار کر دیا۔ جس پر سلطان سارنگ ساگری نے خلاص خان اور علاقہ کے دیگر سرداروں کو خوشاب کے نواح میں طلب کر لیا۔ وہاں اس نے خلاص خان پر دباؤ ڈالا کہ اسے خراج میں ایک نہ ایک لڑکی ضرور دینا پڑے گی۔ اگر وہ اپنے قبیلے کی لڑکی نہیں دے سکتا تو کسی دوسرے قبیلے سے مہیا کر دے۔ لیکن خلاص خان نے یہ بات ماننے سے صاف انکار کر دیا جس پر سلطان سارنگ ساگری نے اُسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔

کہتے ہیں جب خلاص خان کو قتل کیا جانے لگا تو اس وقت جائے حادثہ پر ناجہ خیل قبیلے کا ایک سردار بھی موجود تھا۔ جس کے ساتھ کافی جمعیت تھی خلاص خان نے اس کی مدد حاصل کرنے کے خیال سے اپنی پیٹی کھول کر اسے دے دی لیکن مذکورہ ناجہ خیل سردار خلاص خان کا اشارہ نہ سمجھ سکا اور اس کی پیٹی باندھ کر گھر چلا آیا۔

بعد میں جب اس نے سارا واقعہ اپنے باپ کو بتایا تو اس کے باپ نے اُسے کافی سرزنش کی اور خلاص خان کی مدد نہ کرنے پر سخت لعنت ملامت کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خلاص خان کے قتل کا بدلہ میرے خیل قبیلے کے جدِ امجد میرا خان نے لیا تھا۔ اور تلہ گنگ کے قریب ساگری پر شب خون مار کر اسے قتل کر دیا تھا۔

خلاص خان کا یہ جرأت مندانہ قصہ آج بھی موسیٰ خیل کے بڑے بوڑھے اپنے بچوں کو دیو مالائی اور اساطیری داستانوں کی طرح مزے لے لے کر سناتے ہیں اور خلاص خان کا نام آج بھی میانوالی کے علاقوں میں عموماً اور موسیٰ خیل قبائل میں

خصوصاً بہادری اور جرأت کا نشان بن گیا ہے۔

موسیٰ خیل کی دو بڑی شاخیں یاری خیل اور خنجری خیل کہلاتی ہیں یہ خاندان اپنے اجداد یاری اور خنجری سے منسوب ہیں۔ ان کا ماضی برّہ اور گل بیگ کے تنازعہ کی وجہ سے قابل ذکر ہے۔

برّہ خان اور گل بیگ خان موسیٰ خیل قبیلے کی دو ذیلی شاخوں یاری خیل اور خنجری خیل کے سرکردہ آدمی تھے۔ نامعلوم وجوہات کی بنا پر دونوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ اس خون ریز جھگڑے کا انجام بالآخر برّے کی شکست پر ہوا۔ اس کی اراضی چھین لی گئی اور اسے علاقہ بدر ہونا پڑا۔ اس وقت پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی۔

برّہ خان نے در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بالآخر سکھوں کے ہاں ملازمت اختیار کر لی اس ملازمت کے دوران سکھ برّہ خان کی مدد پر کمر بستہ ہو گئے۔ انہوں نے گل بیگ خان اور اس کے حواریوں پر چڑھائی کر دی۔ ایک زبردست معرکے کے بعد گل بیگ خان بمعہ اپنے درجنوں ساتھیوں کے مارا گیا اور برّہ خان کو اپنی اراضیات واپس مل گئیں۔ گل بیگ خان اور دیگر مقتولین کی قبریں محلہ یاروا نڈھی کے شمالی جانب اب بھی نسبتاً بلند ٹیلے پر موجود ہیں، خنجری قبیلہ اپنے بزرگوار گل بیگ خان کا بے حد احترام کرتا ہے اور اسے گل بیگ شہید کے نام سے یاد کرتا ہے۔

اس واقعہ یا سانحہ کی وجہ سے بعد میں بھی عرصہ دراز تک خنجری خیل اور یاری خیل قبیلوں میں خانہ جنگی کی آگ بھڑکتی رہی۔ جس کے شعلے کئی خرمنوں کو جلا کر

خاکستر کرتے رہے آج اگرچہ اس پرانی مخاصمت میں کوئی شدت تو نہیں رہی۔
لیکن اس کے جراثیم اب بھی دونوں خیلیوں میں پائے جاتے ہیں اور انہیں
وقتاً فوقتاً باہمی خانہ جنگی کا بخار چڑھتا رہتا ہے۔

موسیٰ خیل کا ایک اور قبیلہ رامی خیل موسیٰ خیل گاؤں کے بانی قبیلوں میں
سے ہے اور موسیٰ خیل کا قدیم ترین قبیلہ ہے۔ اس کا اصل تلفظ رحمی خیل تھا جو
بگھڑ کر رامی خیل بن گیا ہے۔

رحم خان جو اس بہادر قبیلے کا جدِّ امجد ہے عیسب بن احمد بن موسیٰ کا لڑکا
تھا اور مچھر خان کا چھوٹا بھائی تھا۔ رحم خان کو خدا نے دو لڑکے عطا کئے تھے۔
جن کے نام ابراہیم اور شہباز تھے۔ ان دونوں کی اولاد میں رامی خیل قبیلے کی شکل
میں موسیٰ خیل میں آباد چلی آتی ہیں۔

کئی لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رامی خیل قبیلہ کا جدِّ امجد کوئی ہندو رام
نامی تھا۔ لیکن یہ سراسر نافہمی کی وجہ سے ہے اس قبیلے کے جدِّ امجد کا نام رحم
یا رحمی تھا۔ جو غالباً رحمٰن یا رحمت اللہ کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

رامی خیل قبیلہ کے لوگ جہاں انتہائی محنتی اور جفاکش ہیں وہاں پرلے درجے
کے جنگجو اور بہادر بھی ہیں۔ موجودہ چیئرمین یونین کونسل موسیٰ خیل ظفر خان کا تعلق
رامی خیل قبیلے سے ہے۔ حبیب اللہ خان جو ہر دلعزیز سماجی کارکن ہے کا تعلق
بھی رامی خیل کے قبیلے سے ہے۔

مچھر خیل قبیلہ بھی موسیٰ خیل کی ایک قدیم شاخ ہے۔ اس قبیلے کے پاس
برطانوی دور میں ذیلداری بھی رہی ہے یہ قبیلہ مہذب اور پڑھے لکھے لوگوں پر مشتمل ہے

مولانا کوثر نیازی (سابق وزیر اطلاعات ونشریات) اور ڈاکٹر اجمل نیازی اُسی قبیلہ کے چشم و چراغ ہیں۔ موسیٰ خیل قبیلے کی ہر دلعزیز مذہبی و سماجی شخصیت حافظ احمد خان کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے ہے۔

ابا خیل کے نیازی بھی موسیٰ خیل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی قبیلے کی ذیلی شاخ ہیں۔ موسیٰ خیل میں خنانی خیل بھی آباد ہیں جو ابا خیلوں کی ذیلی شاخ ہیں۔ چھدرو کے نیازی جو میرا خان خلاص خیل کی اولادوں میں سے ہیں۔ اور بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کا تعلق بھی موسیٰ خیل کی ایک ذیلی شاخ خلاص خیل سے ہے۔

موسیٰ خیل میں ایک اور بہت بڑا قبیلہ آباد ہے جسے غورنی کہتے ہیں یہ قبیلہ موسیٰ خان کی اولادوں میں سے نہیں ہے اس کے حسب و نسب کے متعلق کئی متضاد روایات پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ زمانۂ قدیم میں جولاہوں (پاولی) کا کام کرتے تھے۔ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے قدیم آبائی وطن غور کی نسبت سے غورنی کہلاتے ہیں یہ نہ تو نیازی یا لودھی ہیں اور نہ ہی متی قبائل کی کسی شاخ سے ان کا تعلق ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود نیازی اور متی قبائل غورنیوں کی ایک ذیلی شاخ ہیں۔

عہد ماضی میں دوسرے پاوندہ قبائل کی طرح یہ لوگ بھی بپیشۂ تجارت سے منسلک تھے۔ اور کابل اور قندھار سے پاک و ہند میں آکر خشک میوہ جات یا مصالحہ جات فروخت کرتے تھے۔ اور یہاں سے واپسی پر دھوتیاں، دُھسّے چادریں، کھیس اور کپڑے وغیرہ خرید کر واپس اپنے وطن میں بیچنے کے لئے لے

جاتے تھے۔ اسی کاروبار کی نسبت سے لوگوں نے انہیں جولاہے یا پادلی مشہور کر دیا۔ کیپٹن رابنسن نے اپنی کتاب "NOMAD TRIBES OF AFGHANISTAN" میں غورانیوں کو سلاطین غور کی اولاد لکھا ہے۔

موسیٰ خیل کا ایک اور قدیم الایام بہادر اور جنگجو قبیلہ ڈھیبڈی ہے۔ یہ قبیلہ بھی اگرچہ موسیٰ خیل کے بانی قبیلوں میں سے ہے۔ لیکن موسیٰ خان کی اولادوں میں سے نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈھیبڈیوں کا تعلق لودھی قبیلے سے ہے۔ لیکن ان کا نیازی ہونا ثابت نہیں۔ ان کا جدِ امجد ڈھیبڈی موسیٰ خیل قبیلے کے ساتھ ہی یہاں آباد ہوا تھا۔

تری خیل اور روکھڑی قبیلے کا ذکر

تری خیل اور روکھڑی قبیلے کے جدِامجد کا نام ذکو خان تھا۔ ذکو خان موسیٰ خان کا بھائی تھا۔ یوں تری خیل، روکھڑی خیل اور موسیٰ خیل آپس میں بھائی بند ہیں۔

روکھڑی قبیلہ دراصل تری خیل ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔ سمند خان جو روکھڑی قبیلے کی ایک بڑی شاخ سمند خیل کا جدِامجد ہے۔ تری خان کے اخلاف میں سے تھا۔

ماضی میں روکھڑی گاؤں بھی دریائے سندھ کے کنارے پچھے میں آباد تھا اور دریا برد ہو جانے کی وجہ سے یہ لوگ اپنا مامن و مسکن بدلتے رہے۔ روکھڑی گاؤں کے نواح میں دریائے سندھ کے کنارے عہد ماضی کی قدیم تہذیبوں کے آثار بھی مل چکے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ ووڈ وحشت کی تہذیبوں کا مدفن ہے۔

روکھڑی کے لوگ نہایت خوبصورت غیور اور بہادر ہیں ۔ یہ لوگ زیادہ تر باہمی خانہ جنگی کا شکار رہے ہیں ۔ اس قبیلہ کے کئی نامور فرزند خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور کئی جیلوں میں سسک سسک کر زندگیاں گذارنے پر مجبور ہوئے ہیں ۔ سمند خیل، سید خیل اور ملا تقی خیل قبائل کی دشمنی میانوالی کی تاریخ کا حصہ بن چکی ہے لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے یہ لوگ بھی خانہ جنگی سے کنارہ کشی ہوتے نظر آرہے ہیں ۔

روکھڑی کی ایک بڑی شاخ سمند خیل کے چشم و چراغ تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کے بزرگ کارکن اور سیاستدان امیر عبداللہ خان روکھڑی ہیں ۔

ذکو خان روکھڑی خیل کا شجرۂ نسب نیازی تک اس طرح پہنچتا ہے : ۔

" ذکو بن بھرت بن سرہنگ بن آلا بن عیسیٰ بن خاکو بن نیازی "

تری خیل کے مورثِ اعلیٰ کا نام تری خان تھا ۔ تری خان کا شجرۂ نسب ذکو خان سے اس طرح ملتا ہے ۔

" تری خان بن لاج بن کو لاج بن ذکو "

تری خیل کے لوگ روکھڑی خیلوں کی نسبت زیادہ اچھے کاشتکار ہیں ۔ یہ لوگ جہاں بہادر اور غیور ہیں وہاں محنتی اور جفاکش بھی ہیں ۔

سمند خان جو سمند خیل قبیلے کے جد امجد ہیں کا شجرۂ نسب ذکو خان تک اس طرح پہنچتا ہے ۔

" سمند خان بن اسمٰعیل خان بن مہابت خان بن تری خان بن لاج بن کو لاج بن ذکو "

بوری خیل قبیلہ

موسیٰ خیل کے جانب شمال مشرق کے دامن کوہ میں ایک بہادر اور غیور قبیلہ آباد ہے جس کا نام بوری خیل ہے بوری خیل قبیلے کا جد امجد بوری خان تھا جو طوطے خان سرہنگ کا بیٹا تھا۔ بوری خان کے دو دوسرے بھائی سلطان خان اور پائی خان تھے۔ جن کی اولادیں سلطان خیل اور پائی خیل میں آباد ہیں۔ بوری خان کا شجرۂ نسب نیازی تک یوں پہنچتا ہے:۔

"بوری خان بن طوطے خان بن بھرت بن سرہنگ بن آلا بن عیسیٰ بن خاکو بن نیازی"

بوری خان نے پہلے پہل اپنا کنبہ کوٹ بیلیاں میں بسایا تھا۔ لیکن اراضی کی عدم گنجائش کی وجہ سے وہ جگہ انہیں چھوڑنا پڑی۔ اور اپنے بھائی بند سلطان خیل قبیلے کی اجازت سے موجودہ موضع بوری خیل کے نواح میں آن بسے۔ لیکن اس جگہ پانی کی شدید قلت تھی، جس کی وجہ سے یہ قبیلہ اٹھ کر موجودہ جگہ پر آ بیٹھا۔

اس اثناء میں موسےٰ خیل اور سلطان خیل قبیلوں کی آپس میں ٹھن گئی۔ اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ان قبیلوں کا باہمی جھگڑا بالآخر سلطان خیل قبیلے کے قتل عام اور علاقہ بدری پر منتج ہوا۔

سلطان خیلوں کے نکل جانے کے بعد جہاں موسیٰ خیلوں نے ان کی اراضی پر قبضہ کیا وہاں بوری خیلوں نے بھی ان کی خاطر خواہ اراضی اپنے تصرف میں کر لی۔

بوری خیل دو پہاڑی چشموں سے پینے کا پانی حاصل کرتے رہے ہیں۔

جن کے نام شکری اور مکوڑی ہیں۔ ان میں سے شکری چشمے کا پانی نہایت لذیذ اور فرحت افزا ہے۔ عرصۂ دراز سے یہی دو چشمے بوری خیلوں کی تمام کائنات رہے ہیں۔ خصوصاً شکری چشمے سے ان کی جذباتی وابستگی کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

بوری خیل کے لوگ اتنے صاف گو اور کھرے ہیں کہ ان کی صاف گوئی پورے میانوالی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ ڈپلومیسی کا نام تک نہیں جانتے۔

بوری خیل عقیدتاً اہلسنت کے بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور پیروں فقیروں کے ازحد معتقد ہیں۔ ان میں سے کوئی بالغ مرد ایسا نہیں ملے گا۔ جس کا پیر و مرشد نہ ہو۔ ان کے نزدیک بے پیرا اور بے مرشدا ہونا بہت بڑا طعنہ ہے۔ یہ ان سادہ لوح اور مخلص لوگوں کی پختگیٔ ایمان کا ثمر ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کے دنیاوی جاہ و مال سے نواز رکھا ہے کراچی میں صاحبِ ثروت ہونے کے باوجود یہ لوگ اپنے علاقے کو نہیں بھولے اور اپنے گاؤں بوری خیل سے انہوں نے کبھی اپنا رابطہ منقطع نہیں کیا۔ یہ لوگ باقاعدگی سے بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دیتے آتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ نور بابا ؒ حضرت حافظ جی ؒ، حضرت حافظ عیسیٰ کلو ؒ، حضرت میاں اللہ یار ؒ، اور حضرت عادل شاہ کے مزارات ان کی عقیدت کا خاص مرکز ہیں۔

میانوالی میں بوری خیل قبیلہ جیسا جامع صفات اور کوئی نہیں ہے۔ یہ لوگ یاروں کے بہترین یار اور دشمنوں کے بدترین دشمن ہیں۔ خوبصورتی اور ڈیل ڈول

میں بھی یہ دیگر نیازی قبیلوں میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں. لگتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کے چہرے صاف و شفاف بنائے ہیں اس طرح ان کے دل بھی صاف و شفاف ہیں۔

موضع بوری خیل کے تین مقامات یعنی اوپر والا بھانبڑ، نیچے والا بھانبڑ اور بڈھلی (موڑی) جال بوری خیلوں کے نزدیک حافظ شیرازیؒ کی گلگشتِ مصلیٰ کا درجہ رکھتے ہیں۔

بوری خیل کی مشہور ذیلی شاخوں میں شاہجہان خیل، نور مد خیل، خوشحال خیل سلطانی خیل، بیٹلہ خیل، زادے خیل، پیند خیل، فتو خیل، چوہڑہ خیل، زبرو خیل پلو خیل، جمعہ خیل، عمرو خیل، ٹھکدو خیل، گدڑ خیل، مقرب خیل، اگرہ خیل اور منا خیل وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بوری خیل میں میانے اور راہی بھی آباد ہیں۔ میانوں میں کئی بڑے بڑے مشائخ و صوفی بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت میاں اللہ یارؒ اور حضرت میاں گل محمد شہیدؒ کا تعلق اسی میانے خاندان سے ہے جو بوری خیل قبیلہ کے ساتھ آباد ہے۔

بوری خیل کے راہی موسیٰ خیل کے راہیوں کے بھائی بند ہیں اور حضرت شیخ نورؒ کے اخلاف میں سے ہیں۔

سلطان خیل قبیلے کا ذکر

سلطان خیل قبیلہ سلطان خان بن طوطے خان بن بھرت بن سرہنگ بن آلہ بن عیسیٰ بن خاکو بن نیازی کی اولاد ہے۔ کسی زمانہ میں یہ سرہنگ قبیلے کی نہایت طاقتور

شاخ تھی۔ اور موجودہ موسیٰ خیل گاؤں اور اس کے نواحی مقامات پر مکمل تصرّف رکھتی تھی۔ موجودہ موسیٰ خیل گاؤں کے وسط میں ان لوگوں نے برساتی پانی کو روکنے کے لئے ایک بند باندھا تھا۔ جس میں خاطر خواہ پانی ذخیرہ ہو جاتا تھا۔ جو سلطان خیل قبیلہ اور اس کے مویشیوں کی کفالت کے لئے کافی ہوتا تھا۔ موسیٰ خیل قبیلہ اس وقت سلطان خیلوں کے نواح میں ہی کہیں آباد تھا جس کی عورتیں سلطان خیلوں کے تالاب سے پانی لینے کے لئے آیا کرتی تھیں۔ سلطان خیل قبیلہ کے چند من چلوں نے ان خواتین سے چھیڑ چھاڑ کی۔ مذاقاً پانی کا معاوضہ طلب کیا۔ اور ان کے پانی کے مٹکے توڑ دیئے۔ ان خواتین نے اپنے قبیلے میں جا کر اس بات کی شکایت کی۔ جس پر موسیٰ خیل کے معززین نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور سلطان خیل قبیلہ سے بدلہ لینے کی ٹھان لی، چونکہ سلطان خیل قبیلہ افرادی قوت میں موسیٰ خیلیوں سے کہیں زیادہ تھا۔ لہذا موسیٰ خیلوں نے مکر و فریب کے ذریعے سلطان خیلوں کو کھانے کی دعوت پر بلایا جب سلطان خیل قبیلہ کے سردار اور جوان کھانے میں مصروف ہوئے تو نزدیک ہی چھپے ہوئے موسیٰ خیلوں کے مسلح نوجوانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کی اکثریت کو موت کے گھاٹ اتار دیا اس کے بعد یہ قبیلہ دریائے سندھ کے پار چلا گیا اور وہاں موضع سلطان خیل کی بنیاد ڈالی،

سلطان خیل قبیلہ کی مشہور اور قدیم ذیلی شاخیں، حلو خیل، رنگے خیل، شہابی خیل، باجو خیل، نظم خیل، سامی خیل، سنجر خیل، ہندال خیل، میرداد خیل، پہاڑ خیل، اور شبیر خیل ہیں۔ اس قبیلہ کے لوگ بھی خوبصورت، لمبے تڑنگے، غیور و جسور، سادہ لوح اور جفاکش ہیں۔

پائی خیل قبیلے کا ذکر

سرہنگ قبیلے کی ایک چھوٹی سی غیور و جسور شاخ پائی خیل بھی ہے - جو میانوالی کے نواح میں موضع پائی خیل میں آباد ہے - پائی خیل ریلوے اسٹیشن بھی ہے یہ لوگ پائی خان بن طوطے خان بن بھرت بن سرہنگ بن آلا بن عیسٰی بن خاکو بن نیازی کی اولاد ہیں۔ ان کا جدّ امجد پائی خان بن طوطے خان موسٰی خیل کے جدّ امجد موسٰی خان اور روکھڑی د نہ ری خیل کے جدّ امجد ذکو خان کا بھتیجا تھا۔

پائی خیل، بوری خیل اور سلطان خیل قبائل کے اجداد پائی خان، بوری خان اور سلطان خان تینوں سگے بھائی تھے۔

پائی خیل قبیلہ کے لوگ ماضی قریب تک بغیر ٹکٹ لئے ریل گاڑی میں سفر کرتے تھے اور اس بغیر ٹکٹ کے سفر کرنے کا جواز یہ بتاتے تھے کہ چونکہ گاڑی ہماری زمینوں سے گزرتی ہے لہٰذا اس پر ہمارا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ نہایت زندہ دل لوگ ہیں - اچھے کاشتکار اور خوبصورت ڈیل ڈول کے مالک ہیں - بہادر اور جنگجو بھی ہیں -

تاجہ خیل قبیلہ

تاجہ خیل نیازیوں کے سرہنگ قبیلے کی ایک اہم اور بڑی شاخ ہے - یہ لوگ موچھ، سوانس، مدت والا اور احمد خان والا کے علاوہ متعدد مواضعات میں آباد ہیں - ان کے جد امجد کا نام تاجہ خان تھا۔ تاجہ خان کا شجرۂ نسب نیازی تک یوں ہے -

ور تاجہ خان بن خواص خان بن چوڑھہ خان بن دریا خان بن بوبک خان بن شادی بیگ بن ملو بن مندک بن ادریس بن سرہنگ

بن آلا بن عیسیٰ بن خاکو بن نیازی"۔

گو تاجہ خان بذاتِ خود اپنے دور کا کوئی ایسا مشہور و معروف شخص نہیں تھا۔ لیکن اس کی اولادوں میں بڑے بڑے جنگجو جوان پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنے جدّ امجد تاجہ خان کے نام کو میانوالی میں زندہ وجاوید بنا دیا۔

تاجہ خان کی اولادوں کے بڑے مرکز موچھ اور سوانس ہیں۔ ہم ان دونوں مواضعات کا الگ الگ ذکر کریں گے۔

موضع سوانس کا ذکر

سب سے پہلے تاجہ خان کے والد خواص خان نے اپنے تین بیٹوں تاجہ خان، مرجبہ خان اور باربیگ خان کے ساتھ موجودہ سوانس کے نواح میں ڈیرہ لگایا۔ خواص خان کے تین بھائی عباس خان، الیاس خان اور دریہ خان بھی اس کے ہمراہ تھے۔ خواص خان کے ان تینوں بھائیوں کی اولادیں آج بھی عباسی خیل، الیاس خیل اور دریہ خیل کے نام سے موضع سوانس میں آباد ہیں۔

خواص خان کے بیٹے تاجہ خان نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے اس کے چار بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام احمد خان، بلند خان، عالم خان، اور نور مد خان تھے۔ جب کہ دوسری بیوی سے صرف دو بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام شاہ عالم خان اور ضبید خان تھے۔

تاجہ خان کے قبیلے نے موجودہ سوانس کے نواح میں ایک کنواں کھودا تھا اور اس کے پانی سے یہ لوگ اپنی اور اپنے مویشیوں کی کفالت کرتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ کنواں گر گیا اور یہ لوگ وہاں سے اٹھ کر موجودہ سوانس میں آ بسے۔

جب ان لوگوں کی نسل پھیلی تو یہ مزید اراضی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور جاٹ اور اعوان قبیلوں سے موچھ کے علاوہ ہندال والا، سلطان والا، خان محمود والا رستم والا، نور خان والا، محمدؐ یار والا، احمد والا، مدنت والا، فتح خان والا، مواز والا اور ظریف والا پر مشتمل علاقے چھین کر اپنے قبضے میں کر لئے۔

ابتدا میں یہ سب لوگ سوانس چھوڑ کر موچھ میں آباد ہو گئے تھے لیکن بعد میں تاجہ خان کے بیٹوں احمد خان، بلند خان، عالم خان اور نور مد خان کا اپنے سوتیلے بھائیوں یعنی شاہ عالم خان اور عنبید خان سے جھگڑا ہو گیا۔ جس کی بنا پر یہ دونوں بھائی اپنے ضعیف العمر باپ تاجہ خان کے ہمراہ موضع سوانس میں واپس آ گئے اور مستقلاً یہیں آباد ہو گئے۔ موجودہ موضع سوانس میں انہیں دونوں بھائیوں کی نسلیں آباد ہیں۔ موضع سوانس کی بڑی بڑی شاخوں کے نام شاہ عالم خیل، عباس خیل۔ الیاس خیل، تلسی خیل، ہزارہ خیل اور ابیان خیل وغیرہ ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ موضع سوانس خٹک یعنی کرانی قوم کی مار دھاڑ کی زد میں واقع تھا اور اس کے آباد کاروں پر ہمیشہ خوف و وسواس چھایا رہتا تھا جس کی بنا پر اس موضع کا نام وسواس مشہور ہو گیا۔ جو بعد ازاں بگڑ کر سوانس کی شکل اختیار کر گیا۔ لیکن زیادہ درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس رود کوہی کے آگے یہ بستی آباد ہے اس کا نام سوانس تھا جو کسی قدیم زبان کے لفظ کی بگڑی ہوئی شکل لگتا ہے اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کوہستانِ نمک کے دونوں طرف کی بستیوں میں سے اکثر کے نام رود کوہیوں اور گھاٹیوں کے نام پر ہیں۔ مثلاً مرمنڈی، نمل، رکھی، کلری وغیرہ۔

موضع موچھ کا ذکر

ہم موضع سوانس کے عنوان کے تحت ذکر کر چکے ہیں کہ موضع موچھ میں تاجہ خان سرہنگ کے چار بیٹوں یعنی احمد خان، بلند خان، عالم خان اور نور محمد خان کی اولادیں آباد ہیں۔

ابتداً ان چاروں بھائیوں کی اولادیں مشترکہ طور پر یہاں کی اراضی کے حاصل پر گزر بسر کرتی رہیں۔ لیکن جب ان لوگوں کی نسل نے ترقی کی تو ان میں سے جس قبیلے کے پاس زیادہ طاقت ہوتی تھی۔ وہ اپنی الگ زمین پر تصرف قائم کر لیتا تھا اور اپنے کنبہ سمیت الگ جا بستا تھا اور دوسرے بھائی بندوں کو اس میں سے حصہ نہیں دیتا تھا۔ اسی عمل کے دوران مختلف اوقات میں ان لوگوں نے ہندال والا، سلطان والا، خان محمد والا، رستم والا، نور خان والا، محمد یار والا، مدت والا، فتح خان والا، مواز والا اور ظریف والا پر مشتمل مواضعات آباد کئے۔ ان مواضعات کے علاوہ بھی تاجہ کی اولادوں نے اپنی کئی طفیلی بستیاں آباد کیں جو نور علی شم شاہ والا، محمد شریف والا، عادل شاہ والا، نور نگا، جلال شاہ والا، ملنگ شاہ والا، اترا خورد، اترا کلاں، احمد خان والا، دھوپ سڑی، دلیوالی تربیتیاں، کوٹ بیلیاں، درانہ والا، اور گل محمد والا پر مشتمل ہیں۔

تاجہ خان کا سب سے بڑا بیٹا احمد خان جو تمام بھائیوں میں صاحب دستار تھا کی اولادیں احمد خیل، ہمایوں خیل، جہانے خیل، درویش خیل اور منظفر خیل کے نام سے مشہور ہیں۔

تاجہ خان کے دوسرے بیٹے بلند خان کی اولادیں کبیر خیل، دلامیر خیل اور درگئی خیل قبیلوں پر مشتمل ہیں۔ جب کہ تیسرے بیٹے شاہ عالم خان کی اولادیں شاہ عالم خیل اور نور محمد کی اولادیں

نور مد خیل کہلاتی ہیں۔

بلّوخیل قبیلے کا ذکر

بلّوخیل قبیلہ بھی سرہنگ قبیلے کی ایک ممتاز شاخ ہے اس قبیلے کے مورثِ اعلٰے یا جدِّ امجد کا نام بلّو خان تھا۔ بلّو خان کا شجرۂ نسب نیازی تک اس طرح پہنچتا ہے۔

"بلّو خان بن عسیب خان بن اسمٰعیل خان بن میاں بوبک خان بن شادی بیگ بن طور بن مندک بن ادریس بن سرہنگ بن آلا بن عیسٰی بن خاکو بن نیازی"

۱۷۴۸ء جب احمد شاہ ابدالی کے دو امرا نے گکھڑوں کے مضبوط قلعے معظم نگر پر یلغار کی تو بلّوخیل کی اولادوں نے احمد شاہ ابدالی کے امرا کو خاطر خواہ افرادی قوت بہم پہنچائی تھی۔ جس زمانے میں معظم نگر فتح ہوا اور میانوالی سے گکھڑوں کا صدیوں پرانا رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ میانوالی اور اس کے نواحی علاقوں کی قابلِ کاشت اور قابلِ ذکر اراضی پر اعوانوں کا قبضہ تھا جب کہ جاٹ ان کے مزارع تھے۔

بلّوخیل قبیلہ اس وقت موسٰی خیل اور واں بھچراں کے درمیان کسی جگہ پر آباد تھا۔ موسٰی خیلوں نے ایک لڑائی کے بعد بلّوخیل قبیلے کو شکست دے کر شہباز خیل کی طرف دھکیل دیا۔ اس لڑائی میں واں بھچراں کے بھچروں نے بھی موسٰی خیلوں کی مدد کی تھی۔ چنانچہ موسٰی خیلوں سے جھگڑے کے بعد یہ قبیلہ وہاں سے اٹھ کر موجودہ جگہ پر آ بیٹھا۔ بعد میں جب ان لوگوں نے دیکھا کہ گکھڑ سرداروں کی میانوالی پر سے بالادستی ختم ہو چکی ہے اور میانوالی کی باقی

ماندہ اراضی کے مالک صرف اعوان اور جاٹ رہ گئے ہیں تو انہوں نے ان لوگوں سے اراضی ہتھیانے اور ان کے مقبوضات پر تصرف کرنے کے لئے ایک خفیہ منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبے کے تحت ان لوگوں نے سرکردہ جاٹوں اور اعوان سرداروں کی ٹبہ ڈھیریا روہ والا پر دعوتِ طعام کی چونکہ دعوت خیرسگالی کے جذبات کے تحت کی جاتی ہے لہٰذا اعوان اور جاٹ سردار بغیر اسلحہ اور ہتھیار کے کھانے کی دعوت پر جمع ہو گئے۔ لیکن بلوخیل قبیلہ کے جوانوں کی ایک مسلح جماعت نے موقع پاتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ اور سب کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مکاری اور دغابازی کے اس گھناؤنے فعل کا ارتکاب جس ٹیلے پر کیا گیا۔ وہ آج بھی "کوڑا ٹبہ" یعنی جھوٹا ٹیلا کہلاتا ہے۔

اس قتلِ عام کے بعد وہاں کے اعوان مقبوضات بلوخیل قبیلے کے تصرف میں آگئے اور بچے کھچے اعوان کوہستانِ نمک کا درّہ ڈھک عبور کر کے علاقہ بکھر میں اپنے بھائی بندوں کے پاس چلے گئے۔ تاہم جاٹوں نے جو پہلے اعوان سرداروں کے مزارع تھے۔ نئے قابضین سے مصالحت کر لی، اور ان کی مزارعت قبول کر لی۔

بلوخیل قبیلہ کی مندرجہ ذیل شاخیں مشہور ہیں۔ سرور خیل، زادہ خیل، بنوں خیل، خنکی خیل، علی شیر خیل، شیرمان خیل، عالم خیل، کودی خیل، براہیم خیل اور سہراب خیل،

شہرۂ آفاق کرکٹر عمران خان نیازی کا تعلق علی شیر خیل قبیلہ کی ایک ذیلی شاخ شیرمان خیل سے ہے۔

کرکٹر عمران خان کا شجرۂ نسب

ہمارے محبوب کرکٹر عمران خان کا تعلق نیازی قبیلے کی ایک شاخ شیرمان خیل سے ہے۔ شیرمان خیل بلو خیل قبیلہ کی ایک ذیلی شاخ ہے، اور بلو خیل قبیلے کا تعلق نیازیوں کی مشہور شاخ سرہنگ سے ہے۔

نیازیوں کے سرہنگ قبیلہ نے ماضی میں بڑے بڑے نامور لوگ پیدا کئے ہیں۔ مشہورِ زمانہ جرنیل اور شیر شاہ سُوری کے دور کے حاکم لاہور و ملتان ہیبت خان اعظم ہمایوں کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ اسی قبیلہ نے سلیم شاہی افواج سے کئی جاندار معرکے لڑے تھے۔ ستارۂ پاکستان سابق ڈی ایس پی اکرام اللہ خان نیازی مرحوم بھی اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔

سرہنگ قبیلہ کو دوسرے تمام نیازی قبائل پر بہادری و جنگجوئی کے لحاظ سے فوقیت حاصل رہی ہے۔ سرہنگ قبیلے کی ذیلی شاخوں میں موسیٰ خیل، ناجہ خیل، بلو خیل، بوری خیل، پائی خیل، سلطان خیل، شہباز خیل اور وتہ خیل قابل ذکر ہیں۔

دنیائے کرکٹ کا بے تاج شہنشاہ عمران خان بھی اس قبیلہ کا گل سرسبد ہے۔ عمران خان اپنے والدین کا اکلوتا لختِ جگر ہے۔ البتہ اس کی چار بہنیں ہیں۔ اس عالمگیر شہرت کے حامل کرکٹر کے حالاتِ زندگی مختلف جرائد و اخبارات میں اتنے زیادہ شائع ہو چکے ہیں کہ اس پر کچھ مزید لکھنا گویا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ بالفاظِ دیگر عمران خان کی شخصیت کسی تعارف کی

محتاج نہیں رہی۔ ہماری اس کتاب کا مقصد چونکہ نیازی قبائل کی شجریاتی نسبت کو واضح کرنا ہے لہذا عمران خان کا مکمل شجرۂ نسب درج کیا جاتا ہے۔ جو ہم نے کافی تحقیق و جستجو کے بعد مرتب کیا ہے۔

عمران خان کا نسبی تعلق سلاطین غور اور ضحاک شاہ ایران سے جا ملتا ہے۔ مستند تاریخی حوالوں سے عمران خان کا شجرۂ نسب ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام تک ان واسطوں سے پہنچتا ہے:۔

"عمران خان بن اکرام اللہ خان بن محمد عظیم خان بن فتح خان بن اشرف خان بن خان بیگ خان بن محمد خان بن مہر خان بن شیرمان خان بن لعل خان بن ولی داد بن سلطان خان بن علی شیر خان بن اسمٰعیل خان بن یوبک خان بن شادی بیگ بن طور بن مندک بن ادریس بن سرہنگ بن آلا بن عیسٰی بن خاکو بن نیازی بن ابراہیم (لودھی) بن شاہ حسین بن شاہ معز الدین بن سلطان جلال الدین بن شاہ معز الدین بن طغرل بزار بن جمشید بن بہمن بن افراسیاب بن طہماسپ بن فرید الرشید بن اسفندیار بن طغرل باسگان بن داراسب بن منہال بن تور بن سکندر بن تنسب بن فریبرز بن آزردشت بن ضحاک (شاہ ایران) بن رس بن ریتکان بن افراوال بن کوہ مرز بن یافث بن نوحؑ بن لامک بن متوشلح بن اخنوخ (ادریسؑ) بن بیرو بن مہلائیل بن قانن بن انوشؑ بن شیثؑ بن آدمؑ"۔

~~

شہباز خیل قبیلے کا ذکر

شہباز خیل قبیلہ بھی سرہنگ نیازیوں کی ایک معروف شاخ ہے جو میانوالی کے نواح میں آباد ہے۔ ان کے گاؤں کا نام بھی ان کے جدِامجد شہباز خان کے نام پر رکھا گیا ہے۔ شہباز خیل میں شہباز خان کے بھائی سلیم خان کی اولادیں بھی آباد ہیں جو سلیم خیل کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن اکثریت شہباز خان کی اولادوں کی ہے۔ جن کی مشہور شاخیں۔ ہیبت خیل، پہاڑ خیل اور وزیر خیل وغیرہ ہیں، ماضی میں شہباز خیل اور سلیم خیل خاصے طاقتور تھے اور اپنے بھائی بندوں سے بھی لڑتے رہتے تھے۔ یہ واحد قبیلہ ہے جس نے جب سے شہباز خیل کی سرزمین پر قبضہ کیا ہے وہاں سے اسے کوئی نہیں ہٹا سکا۔

سرہنگ نیازیوں کے دوسرے قبیلے اپنے مال و مسکن بدلتے رہے یا بدلنے پر مجبور ہوتے رہے جب کہ یہ لوگ اپنی قدیمی سرزمین پر ہی ڈٹے رہے۔

وتہ خیل قبیلے کا ذکر

وتہ خیل قبیلہ بھی سرہنگ نیازیوں کی ایک چھوٹی سی شاخ ہے جو میانوالی کے نواح میں دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے اس قبیلہ کے جد امجد کا نام وتہ خان تھا۔ ڈاکٹر شیر افگن سابق ایم این اے کا تعلق اسی قبیلہ سے ہے۔ گلے خیل، لال خیل، ہزارے خیل، چندو خیل، دریہ خیل اور میرزئی خیل اس قبیلہ کی مشہور ذیلی شاخیں ہیں۔

دتہ خان کا شجرۂ نسب نیازی تک یوں ملتا ہے :-

"دتہ خان بن درجہ بن سرسنگ بن آلا بن عیسٰی بن خاکو بن نیازی"

ڈاکٹر شیر افگن اس قبیلے کی مشہور و معروف شخصیت ہیں جو میانوالی کی سیاست کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

باہی قبیلے کا ذکر

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نیازی کے بیٹوں میں سب سے بڑا بیٹا باہی تھا۔ جس کا شمار اپنے دور کے کبار مشائخ میں ہوتا تھا۔

موسٰی خیل کی سرزمین پر سب سے پہلے باہی قبیلے کے چشم و چراغ جناب عبدالکریم خان نے قدم رنجا فرمایا اور کفر و ظلمت میں ڈوبی ہوئی اس سرزمین کو رشد و ہدایت کے لئے پسند فرمایا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نیازیوں کے دیگر قبائل نے جنگیں لڑیں، جاگیریں حاصل کیں جاگیریں گنوائیں۔ قتل ہوئے قتل کئے، لیکن نیازیوں کے اس قبیلے باہی نے دنیاوی جاہ و مال اور حرص و ہوس کی کبھی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور درویشی و فقر کو اپنی زندگیوں کا شعار بنائے رکھا۔

ہر دور میں اس قبیلے نے کبار مشائخ اور اولیاء اللہ پیدا کئے ہیں۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

باہی قبیلہ کماحقہٗ سرزمینِ ہند و پاکستان میں اسلام کے سفیر کی حیثیت سے آیا تھا۔

پرانے زمانے کے نیازی قبائل باہی کی اولادوں کو تبرک کے طور پہ اپنے قبیلے کے ساتھ رکھتے تھے - ان کی خدمت کرتے تھے - اور فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے - آج بھی اگر ہم نیازی قبائل کی گرد ھیوں پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جہاں کہیں بھی نیازی قبائل آباد ہیں وہاں باہی قوم کے افراد بھی ملتے ہیں -

عبدالکریم خان باہی کے چھ بیٹے تھے جن کے نام بھائی خان، بلند خان، عمر خان، جنڈہ خان، خان اور ناصر خان تھے - ان تمام بھائیوں کی اولادیں میانوالی لاوہ اور پاکستان کے کئی خطوں میں آباد ہیں - آج بھی ان لوگوں کی پہچان تقویٰ اور شرافت ہے اور تمام نیازی قبائل میں اسی وجہ سے انہیں ممتاز حیثیت حاصل ہے -

عبدالکریم خان باہی جو میانوالی کے تمام باہیوں کے جدِامجد ہیں خود بھی اپنے دور کے مشہور صوفی بزرگ تھے، جن کا مزار شریف کوہِ وانو (وزیرستان) میں مرجعِ خاص و عام ہے -

احمد شاہ ابدالی کے دور میں باہی خاندان میں دو مشہور صوفی بزرگ پیدا ہوئے جو آپس میں سگے بھائی تھے - بڑے کا نام بابا حسن اور چھوٹے کا بابا حسین تھا - یہ دونوں بزرگ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے - جب احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے خلاف جہاد کیا تو بابا حسین باہی بمعہ اپنے ساتھیوں کے پانی پت کے میدان میں شریک جہاد ہوا - اور دادِ شجاعت دی - احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کا تاریخی معرکہ سر کرنے کے بعد بابا حسین کو ہوشیار پور کے نواح میں کچھ

علاقہ جاگیر کے طور پہ دے دیا ۔ جہاں بعد میں باہی خاندان نے کم و بیش بارہ بستیاں آباد کیں ۔ بستی باہیاں ہوشیار پور کے نواح میں مشہور گاؤں کا نام تھا ۔ تقسیم ہند کے بعد کئی باہی خاندان مہاجرت کر کے پاکستان آ گئے اور اب مختلف جگہوں پہ مقیم ہیں ۔ بابا حسن اور بابا حسین عبدالکریم باہی کے اخلاف میں سے تھے ۔
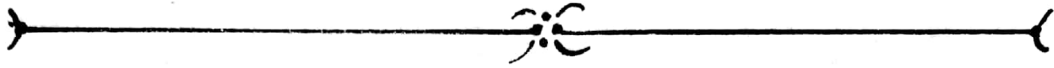
نیازیوں کی نو آبادی میانوالی کی تاریخ

وحشت کے قدیم دور میں میانوالی کی سرزمین میں یقیناً سیاہ فام قومیں آباد رہی ہونگی جن کا اجمالی ذکر ہم اس کتاب کے مقدمہ میں پیش کر آئے ہیں بعد میں جب خطۂ پاک و ہند میں آریاؤں کا ورود ہوا تو وہ بشمول دیگر خطوں کے اس خطہ میں بھی آباد ہو گئے۔ بہرحال یہاں کے قدیم الایام آباد کاروں کی تاریخ تہذیب اور تمدن کا ہمیں کوئی قابلِ ذکر حال نہیں ملتا۔ قبل از مسیح میں کابل اور پنجاب کے خطے یونانی باختری بادشاہت کے تصرف میں تھے۔ جس کی بنا پر یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اس دور میں یہ علاقہ بھی یونانی باختری سلطنت کی عملداری میں آتا تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی سے قبل یہ علاقہ ہندو آباد کاروں کے پاس تھا۔ جب کہ پندرہویں صدی کے اوائل میں چند جاٹ خاندان بشمول سیار چھینہ اور کھوکھر اس خطے میں داخل ہوئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ یہ جاٹ خاندان جنوب کی جانب سے غالباً بہاولپور اور ملتان سے آئے تھے۔ جاٹوں کے بعد جنوب ہی کی جانب سے بلوچ آئے۔ اور انہوں نے اس سرزمین کو اپنا وطن بنایا۔

بلوچوں کے بعد شمالی مغربی علاقوں کے پٹھانوں کے ورود کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان تینوں آباد کاروں یعنی جاٹوں، بلوچوں اور پٹھانوں سے پہلے سلطان محمود غزنوی کے ہند پر دھاووں کے وقت سے اعوان آباد کار یہاں کی سرزمین پر آباد چلے آرہے تھے۔ لیکن اعوان آباد کاروں کا تصرف زیادہ تر سکیسر اور کوہِ نمک کے مشرقی جانب رہا۔

پندرہویں صدی کے آخر تک میانوالی کی اکثر موجودہ آبادیاں وادیٔ سندھ کا گھنا اور غیر آباد جنگل تھیں - اور ان جنگلوں میں سورؤں - بھیڑیوں، چیتوں اور ہرنوں وغیرہ کی بہتات تھی - خصوصاً ہرنولی گاؤں اور اس کے نواحی جنگلات تو ہرنوں سے پٹے پڑے تھے - اس علاقے کو ہرنوں کی نسبت سے ہرنولی کا نام دیا گیا۔

یہ علاقہ کم و بیش اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک گکھڑ سرداروں کے قبضہ قدرت میں رہا - اور وہ یہاں کے آبادکاروں پر حکومت کرتے رہے جب ہندوستان میں مغل سلطنت کا قیام عمل میں آیا تو انہوں نے بھی میانوالی کے علاقہ یعنی پرگنہ کچھی پر گکھڑوں کی بالادستی کی توثیق کی اور گکھڑوں کو ہی اس علاقے کا جاگیردار مقرر کیا۔ اور یوں یہ علاقہ کسی حد تک مغلیہ سلطنت کا حصّہ رہا -

۱۷۳۸ء میں نادر شاہ درانی نے اس علاقہ پر حملہ کیا اور یہاں کے مقامی آبادکاروں کو تاراج کر کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا - اس طرح یہ علاقہ حکومت ایران کا ایک حصّہ قرار پایا۔

نادر شاہ درانی کی وفات کے بعد یہ علاقہ احمد شاہ ابدالی کے مقبوضات میں شامل ہوا - احمد شاہ ابدالی نے گکھڑوں کو تباہ کرنے کے بعد اگرچہ اس علاقے میں اپنا کوئی گورنر نامزد نہ کیا - لیکن اس کا ڈانواں ڈول سا قبضہ یہاں پر قائم رہا۔ اور عملاً بلوچوں کے ہوت اور جسکانی سردار یہاں پر حکمرانی کرتے رہے -

سکھوں نے ۱۷۶۰ء میں ہی پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے اور پنجاب کے دیگر علاقوں کی طرح میانوالی کا علاقہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ تھا چنانچہ یہاں کے بلوچ سرداروں اور سکھوں کے مابین کئی معرکے ہوتے رہے

حتیٰ کہ سنہ ۱۷۶۲ء میں ہی مشہور بلوچ سردار بلیح خان اندھا جس کا تعلق جسکانی قبیلے سے تھا۔ جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ کے ساتھ لڑتے ہوئے مارا گیا اور اس طرح سکھوں کو اس علاقے میں پاؤں جمانے کا موقع مل گیا۔

بلیح خان اندھے کی جگہ اس کا بیٹا فتح خان سردار بنا۔ اس کی حکومت کے آخری ایام میں ڈیرہ اسمٰعیل خان کے نصرت خان ہوت نے بھکر پر حملہ کیا۔ اس کے بیٹے کو شکست دے کر گرفتار کر لیا اور ساتھ ڈیرہ لے گیا۔ حسن خان لسکرانی جو فتح خان کا وزیر تھا کو حکم دیا گیا کہ وہ ڈیرہ پر حملہ کرے لیکن اس نے لیت ولعل سے کام لیا۔ نصرت خان جسکانی کی ماں نے اپنے بیٹے کی رہائی کی کوشش کی لیکن نصرت خان ہوت نے اس کی بھی عصمت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی بعد ازاں نصرت جسکانی کو چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اس کا باپ اور اس نے مارے شرم کے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اس سارے قصے نے ایک سیکنڈل کی شکل اختیار کر لی تھی۔ چونکہ نصرت خان ہوت سخت بدنام ہو گیا تھا۔ اس لئے احمد شاہ نے جو اس نیم خود مختار علاقے پر مکمل قبضے کا خواہاں تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نصرت خان ہوت کو نہ صرف سرداری سے محروم کر دیا بلکہ اسے قیدی بنا کر کابل لے گیا۔ اس دوران حسن خان لسکرانی فتح خان کے پوتے حیات خان کے نام پر سندھ کے زیریں علاقے پر حکومت کرنے لگا۔ حکومت اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے اس نے حیات خان کو قلعہ منکیرہ میں سخت نگرانی میں رکھا۔ لیکن بالآخر حیات خان فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور جمعیت اکٹھی کر کے حسن خان کو شکست دیکر قیدی بنا لیا۔ جلد ہی حسن خان کو قتل کر دیا گیا۔

بہر حال جسکانیوں کی حکومت اب تیزی سے رو بہ زوال تھی۔ سرگانی ایک طاقتور قبیلہ تھا۔ حیات خان کے بے جا التفات نے انہیں خاصا بگاڑ رکھا تھا۔ جب حیات خان نے اُچ کے ایک مذہبی آدمی گل محمدؒ کے خلاف ایک مہم بھیجی جو چناب کے علاقے میں اپنی آزاد حیثیت قائم کرنے میں کوشاں تھا تو سرگانی قبیلے نے سخت برا منایا۔ اور غدارانہ حملہ کر کے قلعہ منکیرہ میں اسے قتل کر دیا یہ واقعہ ۱۷۸۷ء کا ہے۔

جسکانی سرداری کا خاتمہ سرائی حکومت پر منتج ہوا۔ جس کا سردار عبد النبی سرائی تھا۔ یہ سرائی وہی کلہوڑے تھے جنہیں سندھ سے ۱۷۸۲ء میں نکال باہر کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے شاہانِ کابل سے ڈیرہ غازی خان کے علاقے پر بالادستی کے لئے کافی عرصہ تک محاذ آرائی کی جس میں مرانیوں نے وزیر محمدؐ خان کے ساتھ دوہرا کھیل کھیلا یعنی کبھی ایک طرف ہو جاتے اور کبھی دوسری طرف۔

عبد النبی سرائی لیہ کی حکومت پر صرف تین سال قابض رہا۔ بادشاہ سے اس کی ظالمانہ حکومت کے خلاف شکایات کی گئیں اور درخواست کی گئی کہ محمدؐ خان سدوزئی کو حاکم مقرر کیا جائے۔ یہ شخص مظفر خان، نواب آف ملتان کا چچازاد تھا اور اس کی طرف سے کچھ وقت کے لئے ملتان کا گورنر بھی رہا تھا۔ چنانچہ جلد ہی سند جاری کر دی گئی اور محمدؐ خان سدوزئی کو سندھ ساگر دوآبہ کا (جو کلور کوٹ سے محمود کوٹ تک اور دریائے سندھ سے دریائے چناب تک کے علاقے پر مشتمل تھا) نواب اور گورنر بنا دیا گیا۔ محمدؐ خان کو ابھی قبضہ لینا تھا جو بغیر لڑائی کے ناممکن تھا اس کا لیہ کے قریب عبد النبی سرائی سے مقابلہ ہوا، جس میں

ابتداً سرائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور محمدؐ خان سدوزئی کے آدمی بھاگنے لگے۔ خود محمدؐ خان نے بھی بھاگنے کا یہ کہتے ہوئے ارادہ کیا کہ فوج کے بغیر بادشاہ کیا کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے جمعدار نے اسے یہ کہہ کر روک لیا کہ "فرار سے موت بہتر ہے"۔ نتیجتاً اس نے اپنی فوج کو جمع کیا اور سرائی فوج پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں عبدالنبی سرائی کا بیٹا محمدؐ عارف مارا گیا۔ جو لڑائی کی اصل روح تھا۔ چنانچہ سرائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سرائیوں کو اپنا سامان اکٹھا کرکے جانے کے لئے ایک دن دیا گیا اور وہ کشتی کے ذریعے جنوب کو اپنے علاقے میں چلے گئے۔

نواب محمدؐ خان کی آمد سے قبل دگرگوں حالات کے پیش نظر سارے علاقے میں مقامی سردار اپنے اپنے حلقے میں حکمران اور وڈ بھرے بنے بیٹھے تھے جن پر نواب نے آہستہ آہستہ بالادستی حاصل کی اور انہیں زیر کیا۔ نواب نے واں بھچراں کے لوگوں کو بھی اپنا مطیع کیا۔ اور بعد ازاں ملک خان محمدؐ کے ماتحت ٹوانوں پر پر حملہ کیا۔ انہیں شکست دی اور نور پور کو لوٹا۔ تاہم نواب نے ٹوانہ علاقے پر قبضہ برقرار رکھا۔ یہی ملتانی پٹھانوں اور ٹوانوں میں مخاصمت کی اصل وجہ تھی۔

مشہور ٹوانہ ملک فتح نے ڈیرہ اسماعیل خان کی تاریخ میں الحاق سے پہلے اہم حصہ لیا تھا۔ نواب نے دریا کے پار جسوروں کے خلاف دیوان مانک رائے کو بھیجا جنہوں نے بلوٹ کے ایک بزرگ سید کو قتل کر دیا تھا۔ جسوروں کو نتیجتاً شکست ہوئی اور نواب نے ان کے علاقے پر قبضہ کر کے وہاں قلعہ تعمیر کرایا۔

۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ مر گیا۔ اس کے بعد زمان شاہ تخت نشین ہوا۔ لیکن شہزادہ ہمایوں نے اس سے اختلاف کیا۔ ۱۷۹۶ء میں ہمایوں نے دوبارہ

زمان شاہ سے بادشاہت چھیننے کی کوشش کی لیکن شکست کھائی اور سانگھڑ کی طرف فرار ہو گیا۔ جہاں سانگھڑ کے سردار ماسو خان نتکانی نے اس کی مدد کی اور اسے ڈیرہ فتح خان کی دریائی گزرگاہ سے پار بھجوا دیا۔ کسی طرح ہمایوں کے بچ نکلنے کی خبر نواب کو بھی مل گئی زمان شاہ نے ہمایوں کی گرفتاری پر انعام کے وعدے کے ساتھ سخت احکامات دے رکھے تھے۔ چنانچہ اس نے چند سوار بلائے اور اس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا اور اسے لیہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلے پر تھل میں ایک کنوئیں پر جالیا۔ ہمایوں کے ساتھ تقریباً بیس بائیس گھڑسوار تھے۔ اس نے عالم مایوسی میں بھی خوب مقابلہ کیا۔ ہمایوں کا بیٹا مارا گیا اور ہمایوں کو گرفتار کر کے لیہ لے جایا گیا۔ نواب نے فوراً ہمایوں کی گرفتاری کی اطلاع زمان کو دی جس نے حکم بھیجا کہ ہمایوں کی آنکھیں نکال دی جائیں۔ اور اس کے ساتھیوں کے پیٹ چاک کر دیئے جائیں اس کے ساتھ ہی اس نے نواب کو سربلند کا خطاب دیا اور اس کے پہلے والے علاقہ جات کے علاوہ ڈیرہ اسماعیل خان بھی اس کو عطا کر دیا۔ بادشاہ کے احکام پر لیہ ہی میں عمل درآمد کیا گیا۔ ہمایوں کے ساتھیوں میں سزا پانے والا ایک آدمی فتح خان بارک زئی کا بھائی بھی تھا۔ ہمایوں نے بقیہ زندگی زندان میں گزاری۔

صوبہ ڈیرہ جس کا نواب محمد خان کو گورنر بنایا گیا تھا۔ قصور سے سانگھڑ کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ اور نتکانی سردار کے ماتحت تھا۔ انہوں نے بھی فوری طور پر نواب کی اطاعت قبول کر لی۔

نواب محمد خان کا ہیڈ کوارٹر بھکر اور منکیرہ تھا۔ اس نے ڈیرہ پر اپنے نائب کے ذریعے حکومت کی ۱۸۱۵ء میں وہ مر گیا۔ چونکہ اس کا کوئی بیٹا نہیں

تھا۔ اس لئے اس کی جگہ اس کا داماد حافظ احمد خان اس کا قائم مقام ہوا۔ محمد خان بلاشبہ ایک قابل آدمی تھا اور اس کے جیتے جیات سکھ لیہ پر حملہ سے باز رہے لیکن اس کے مرتے ہی اس کے جانشین سے خراج کا مطالبہ کر دیا۔ اور ارد گرد کی مسلم آبادی پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ حتیٰ کہ حافظ احمد خان نے ایک بڑا خراج دے کر سکھ فوج کا انخلاء کرا دیا اور یوں اپنے قلعے اور کچھ لوٹا ہوا مال واپس لینے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد سکھ حکومت نے خراج لینے کے لئے دباؤ مسلسل جاری رکھا۔ دوسری چیزوں کے علاوہ رنجیت سنگھ عمدہ قسم کے گھوڑوں کے حصول کا بڑا شوقین تھا۔ جب بھی اُسے سن گن ملتی کہ نواب کے پاس کوئی اعلیٰ قسم کا گھوڑا ہے۔ وہ اس سے زبردستی لے لیتا تھا۔

۱۸۱۸ء میں نواب مظفر خان کے دلیرانہ مقابلے کے باوجود سکھوں نے ملتان پر قبضہ کر لیا۔ حافظ احمد خان اپنے بھائی نواب کی مدد کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ تاہم ۱۸۱۸ء میں اس نے عیسیٰ خیل اور میانوالی کے زیر دریا علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور اس کے سپاہیوں نے اس کے تحصیل دار دیوان مانک رائے کے ساتھ مروت تک کا علاقہ زیر کر لیا۔ لیکن اسے اس فتح کا پھل کھانا زیادہ دیر تک نصیب نہ ہوا۔ ۱۸۲۱ء کی خزاں میں جب رنجیت سنگھ دیگر اہم کاموں سے نپٹ چکا تو اس نے حافظ احمد خان کو مطیع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ فوج لے کر شاہ پور سے ہوتا ہوا ڈیرہ اسماعیل خان کے مقابل دریائے سندھ کے کنارے آ پہنچا۔

اس نے ۸۰۰۰ آدمیوں کی فوج دریا سے پار بھیجی جس پر گورنر دیوان مانک رائے

نے شہر کی کنجیاں سکھوں کے حوالے کر دیں ۔ بھکر، لیہ، خان گڑھ اور موج گڑھ، یکے بعد دیگرے بغیر مزاحمت کے مطیع ہو گئے ۔ سکھوں نے نومبر میں منکیرہ بھی فتح کر لیا اور نواب نے سکھ فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ۔ تاہم نواب کے ساتھ بڑا شریفانہ برتاؤ کیا گیا اور حفاظتی دستے کے ساتھ ڈیرہ بھجوا دیا گیا ۔ اب رنجیت سنگھ نے زیریں سندھ اور ڈیرہ فتح خان کا علاقہ بھی قبضے میں لے لیا ۔ اس وقت اس نے ٹانک اور ساگر کے سرداروں سے بھی خراج کے لئے دباؤ ڈالا ۔ قلعہ منکیرہ براہ راست سکھ گورنر کے ماتحت کر دیا گیا اور مقامی کاردار کے حوالے کبھی نہ کیا گیا ۔

رنجیت سنگھ نے دریائے سندھ تک اپنی سرحد بڑھاتے ہی کوہستان سلیمان کی طرف پیش قدمی کا عزم کیا ۔ ۱۸۲۳ء میں اس نے ایک زبردست فوج کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کیا اور عیسیٰ خیل اور مروت میں سے بلا مزاحمت گزرتا ہوا بنوں کے نواح میں جا پہنچا ۔ لیکن ایک دو مہینہ وہاں قیام کے بعد بالائے دریا کوئی چھاؤنی قائم کئے بغیر واپس چلا گیا ۔

۱۸۳۱ء میں راج کور کو اجارہ دار مقرر کیا گیا ۔ اور اس کے بعد خالصہ نحزن سنگھ کو ۔ ۱۸۳۷ء میں سندھ کا سارا علاقہ بشمول میانوالی ملتان کے گورنر ساون مل کے ماتحت کر دیا گیا، جس کے نام پر یہاں یکے بعد دیگرے اس کے بیٹے کرم نرائن اور پوتے وزیر چند نے کامیاب حکومت کی ۔ ساون مل ایک دانا اور قابل گورنر تھا ۔ وہ عمدہ ریونیو ایڈ منسٹریٹر تھا ۔ خصوصاً زراعت کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا ہے وہ ۱۸۴۵ء میں مرا ۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا

ملراج گورنر بنا۔ جلد ہی دوسری سکھ لڑائی چھڑ گئی جس کے نتیجے میں سارا علاقہ انگریزی حکومت میں شامل ہو گیا۔ پنجاب کا الحاق ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو ہوا اور یوں میانوالی بھی انگریزی ہند کا حصہ بن گیا۔ صوبہ کی تشکیل میں لیہ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کو ضلع بنایا گیا۔ عیسیٰ خیل تحصیل مع مروت، ڈیرہ اسماعیل خان کا حصہ بنا دی گئی۔ باقی کے میانوالی کو ضلع لیہ میں شامل کر دیا گیا۔ صرف اس کا کوہستانِ نمک سے مشرق والا حصہ یعنی پکھر ضلع جہلم میں ملا دیا گیا۔ الحاق سے لے کر ۱۸۵۷ء تک اس علاقے کی تاریخ میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔ ۱۸۵۳-۵۴ء میں پپلاں اور ہرنولی کے تھانے جو پہلے تحصیل دریا خان کے حصے تھے۔ تحصیل میانوالی کو منتقل کر دیئے گئے۔ جو اس وقت تحصیل کچھی کہلاتی تھی۔ مٹھہ ٹوانہ اور نورپور کے تھانے کچھی میں شامل کر دیئے گئے۔

یکم جنوری ۱۸۶۱ء کو لیہ کو ضلع قرار دیا گیا اور ڈیرہ جات ڈویژن کی تشکیل ہوئی، جس میں بنوں انتہائی شمالی ضلع کے طور پہ شامل کیا گیا بالائی سندھ کی تحصیلوں یعنی بنوں، عیسیٰ خیل اور مروت کو جو پہلے ڈیرہ اسماعیل خان ضلع میں شامل تھیں اور زیریں سندھ کی تحصیل میانوالی کو جو ضلع لیہ کا سب ڈویژن تھا نئے ضلع میں شامل کر دیا گیا۔

جب شمالی مغربی سرحدی صوبہ پنجاب سے علیحدہ کر دیا گیا تو نئی انتظامی تقسیم وجود میں آئی۔ چنانچہ ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو میانوالی کو علیحدہ ضلع بنا دیا گیا جس میں چار تحصیلیں شامل کی گئیں۔ یعنی عیسیٰ خیل، میانوالی، بھکر اور لیہ۔ پہلی دو تحصیلیں بنوں سے اور دوسری دو ڈیرہ اسماعیل خان سے لی گئیں، ہیڈ کوارٹر

میانوالی بنایا گیا اور بھکر کو سب ڈویژن کا درجہ ملا۔ اس ضلع کو ملتان ڈویژن میں رکھا گیا۔

یکم اپریل ۱۹۰۹ء میں تحصیل منظفر گڑھ میں شامل کر دی گئی اور بقیہ تین تحصیلوں پر مشتمل ضلع میانوالی کو ملتان ڈویژن سے نکال کر راولپنڈی ڈویژن میں شامل کر دیا گیا۔ بعد میں ۱۹۶۰ء میں ضلع میانوالی کو سرگودھا ڈویژن میں شامل کر دیا گیا۔

پہلے یہ ضلع تین تحصیلوں پر مشتمل تھا یعنی تحصیل میانوالی، تحصیل عیسیٰ خیل اور تحصیل بھکر۔ لیکن یکم جولائی ۱۹۸۲ء میں اس کے آدھے سے زیادہ حصے کو جو تحصیل بھکر پر مشتمل تھا الگ ضلع کا درجہ دیا گیا اور یوں ضلع میانوالی سمٹ کر آدھے سے بھی کم رہ گیا ہے۔ میانوالی سرگودھا ڈویژن کا ضلع ہے۔ سرگودھا ڈویژن کے دیگر شمولات میں سرگودھا، خوشاب اور بھکر کے اضلاع شامل ہیں۔

یکم جولائی ۱۹۸۲ء میں جب بھکر کو الگ ضلع کا درجہ دے کر ضلع میانوالی سے منہا کر دیا گیا۔ اس وقت یہاں کی آبادی کا تخمینہ ۷،۱۰۰۰۰ نفوس لگایا گیا تھا جب کہ اس کا رقبہ سمٹ کر ۲۲۵۵ مربع میل رہ گیا ہے۔ جو پہلے ۵۸۱۶ مربع میل تھا۔ موجودہ ۲۲۵۵ مربع میل رقبہ میں سے ۷۱۹ مربع میل رقبہ تحصیل عیسیٰ خیل پر مشتمل ہے۔

ضلع میانوالی کے مشرق میں ضلع اٹک اور خوشاب واقع ہیں مغرب میں بنوں ڈیرہ اسماعیل خان، شمال میں اٹک اور کوہاٹ جبکہ جنوب میں اس کے بطن سے جنم لینے والا نومولود ضلع بھکر واقع ہے۔

عیسیٰ خیل جسے اس ضلع کی تحصیل کا درجہ حاصل ہے [1] بڑھبات کے علاوہ پنجاب کا

[1] واحد علاقہ ہے

جو دریائے سندھ کے مغرب میں ہونے کے باوجود سرحد کی بجائے پنجاب کا حصّہ ہے تحصیل عیسیٰ خیل کو چھوڑ کر اس ضلع کا باقی حصّہ دریائے سندھ کی ترائی میں واقع ہے۔ پرانے وقتوں میں سندھ و جہلم کے درمیانی علاقے کو سندھ ساگر کہا جاتا تھا اور یوں موجودہ سرزمین میانوالی دوآبہ سندھ ساگر کا حصّہ تھی۔

میانوالی کے شمال میں بھنگی خیل کا علاقہ ہے۔ جو تحصیل عیسیٰ خیل میں شامل ہے جو دراصل ضلع کوہاٹ کی خشک پہاڑیوں اور دریائے سندھ کی درمیانی پٹی پر مشتمل ہے۔ یہ علاقہ زیادہ تر پہاڑی و کھدری ہے۔ جب کہ کہیں کہیں میدانی ٹکڑے بھی ہیں۔

ضلع میانوالی میں صرف ایک شہر میانوالی ہی ہے جب کہ باقی آبادیاں قصبوں اور گاؤں پر مشتمل ہیں۔ قابلِ ذکر قصبوں میں عیسیٰ خیل، کالاباغ، کندیاں، لیاقت آباد (پپلاں) ہرنولی، داؤد خیل، واں بھچراں، کمر مشانی اور موسیٰ خیل شامل ہیں جب کہ موچھ، روکھڑی، شہباز خیل، چکڑالہ، شادیہ اور ھکڑہ وال اگرچہ آبادی کے لحاظ سے قصبہ کا درجہ تو نہیں رکھتے لیکن یہ آبادیاں یہاں پر خاص اہمیت کی حامل ہیں اور میانوالی کی تاریخ میں ان کا ایک اہم مقام ہے۔ اس کے دیگر قابلِ ذکر گاؤں ترگ، سلطان خیل، پائی خیل، سوانس، غنڈی، دلے والی قریشیاں، تری خیل ڈھیر بارو والہ، بلو خیل، دتہ خیل، ابا خیل، چھدرو، بوری خیل، دلیلی والا، سلطان والا مشرقی، گلمیری، منظفر پور، رکھی، کلری، نقے والی، ڈھوک غزن، مسان، بنی افغاناں، لوٹلہ بھنگی خیل، نمل، ڈھرنکہ، ڈھبہ کرسیال اور ڈھوک علی خان ہیں۔

میانوالی شہر کی آبادی جو ۱۹۰۱ء میں ۷۰۶۴ افراد پر مشتمل تھی اب ۶۰۰۰۰ سے بھی تجاوز کر گئی ہے۔ میانوالی شہر کا رقبہ آٹھ مربع میل پر مشتمل ہے۔ یہاں کی سالانہ آمدنی کم و بیش پچھتر لاکھ ہے۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم سے قبل یہاں کافی ہندو آباد تھے۔ جو تقسیم کے وقت یہاں سے چلے گئے۔ لیکن اس شہر کی آبادی میں کوئی خاص فرق نہیں آیا۔ کیونکہ ہندوؤں کی جگہ مہاجرین آبادکاروں نے لے لی۔ ۱۹۴۱ء میں جب یہاں ہندو بھی آباد تھے۔ یہاں کی کل آبادی ۲۲۵۲۵ افراد پر مشتمل تھی۔ جب کہ ۱۹۵۱ء میں مہاجرین کی آبادکاری کے بعد یہ آبادی ۲۳۳۱۸ افراد تھی۔

میانوالی شہر میں سول لائنز، ضلع کچہری، سنٹرل جیل، میو ہسپتال کے علاوہ لڑکیوں اور لڑکوں کے الگ الگ ڈگری کالج بھی ہیں ریلوے سٹیشن کے علاوہ ایک بڑا بس سٹینڈ بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس شہر میں چار ہائی سکول ہیں، جن میں تین اردو میڈیم اور ایک انگلش میڈیم، تین مڈل سکول، انیس (۱۹) پرائمری سکول اور ایک جونیئر ماڈل سکول ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے الگ الگ دو کمرشل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ بھی ہیں۔ کھیلوں کے دو عدد چھوٹے سٹیڈیم بھی ہیں۔

میانوالی کی مختلف قوموں کا تذکرہ

میانوالی میں نیازیوں کے علاوہ خٹک، بلوچ، پٹھان، اعوان قریشی، سید، میانے، کھوکھر اور ارائیں آباد ہیں۔ بہر حال اکثریتی آبادی نیازیوں کی ہے۔ مناسب ہے کہ ہم مختصراً اور ضمناً میانوالی کی ان اقوام کا ذکر

بھی کرتے ہیں۔

خٹک خٹک عیسیٰ خیل کے شمال میں پہاڑی علاقے میں آباد ہیں ان کا علاقہ بھنگی خیل کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ گدّی خیسل کہلاتے ہیں جو کوہ میدانی کے دیہاتوں میں آباد ہیں۔ خٹک موجودہ سرزمین میں نیازیوں کی آمد سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ کافی عرصہ تک نیازیوں اور خٹکوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور ایک دوسرے کے علاقوں میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ جب نیازی دریائے سندھ کے اکناف میں آباد ہو گئے اس وقت بھی یہ لوگ لوٹ مار کی غرض سے نیازی آبادکاروں پر شبخون مارتے رہتے تھے۔ نیازی ان لوگوں کو ازحد نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ خٹک دراصل وہی کرانی قبیلہ ہے جس کا ذکر بابر نے تزک بابری میں نیازی قوم کے ہمراہ کیا ہے۔ نیازیوں کی خٹک قوم سے نفرت کا اندازہ اس طرح ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کسی شخص کو بہت بڑی گالی دینا ہو تو یہ لوگ کہتے ہیں۔

"فلاں شخص بڑا کرانی ہے"

اس کے علاوہ تاج خان کرانی جس کا شمار سوری حکمرانوں کے مشہور اور معتمد امرا میں ہوتا تھا نیازیوں کی نفرت کی سب سے بڑی وجہ ہے یہ وہی شخص ہے جس نے بعد میں بنگال میں کرانی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ تاج خان کرانی اسلام شاہ سوری کا خاص الخاص امیر تھا۔ جس نے اسلام شاہی افواج کے ساتھ لڑائیوں کے وقت نیازیوں کی بھرپور مخالفت کی تھی اس شخص نے اپنے آقا کے دلی نعمت خواص خان کو قرآن کریم کی ضمانت دے کر

نوشہرہ کے پہاڑوں سے نیچے بلایا تھا اور دھوکہ سے اس منبع جود وسخا کو
قتل کر دیا تھا۔ اور بعد از قتل اس صوفی و درویش خصلت انسان کی کھال اتار
کر اس میں بھوسہ بھر دیا تھا۔ اور دہلی میں اسلام شاہ کی خدمت میں بھیج دیا تھا۔
حالانکہ خواص خان نے "تاج کرانی پر بہت زیادہ عنایات کی تھیں اور اس کی
عنایات کے طفیل یہ شخص امارت کے اعلےٰ عہدے تک پہنچا تھا بہر حال
اب زمانہ بدل گیا ہے اور نیازیوں اور خٹکوں کے درمیان خوشگوار تعلقات
موجود ہیں جو دن بدن خیر سگالی کے جذبات میں ڈھلتے جا رہے ہیں۔

خٹک قوم کا شمار میانوالی کی قدیم اقوام میں ہوتا ہے۔

بلچ پٹھان

بلچ پٹھانوں کی مختصر سی تعداد پپلاں اور تھل کے دیگر حصوں میں آباد ہے۔ ابتداً خسور کی پہاڑیوں میں پنیالہ
کے مقام سے دریائے سندھ عبور کر کے اس خطہ میں داخل ہوئے تھے اور بعد میں
امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ نقلِ مکانی کے مراحل سے گزرتے گزرتے موجودہ
مقامات پر ٹک گئے ہیں۔ ان کے پاس کافی قابلِ قدر اراضی ہیں اور اچھے کاشتکار
ہیں اس کے علاوہ نہایت غیور و جسور لوگ ہیں۔

اعوان

سرزمین میانوالی کے مسلم آباد کاروں میں اعوان سب سے پہلے اس خطے میں آئے۔ ان کے اسلاف کم و بیش ساتویں
صدی ہجری میں یہاں وارد ہوئے تھے۔ جب نیازی میانوالی میں آئے۔ تو
اعوانوں کی کم و بیش سترہ پشتیں اس سرزمین پر گزر چکی تھیں۔ اصل اعوانوں
کی اکثریت ڈھک کے مشرق میں نسبتاً کھدری علاقہ میں آباد ہے۔ انہیں

مقامی زبان میں اترادی کہا جاتا ہے۔

یہ جنگجو، غیور، جفاکش اور بہادر لوگ براہِ راست عربوں کی اولاد ہیں۔ یہ لوگ مضبوط اور سڈول جسم کے مالک ہیں۔ ان لوگوں کے اجداد امویوں اور ان کے بعد عباسیوں کے جور و ستم سے تنگ آ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے اور غزنی میں آباد ہو گئے تھے۔ اس وقت غزنی میں امیر سبکتگین کی حکومت تھی۔ اعوان اپنے آپ کو حضرت محمدؒ بن حنیفہؒ کی اولاد بتاتے ہیں۔ جو حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد تھے۔ عباسی دورِ خلافت میں محمدؒ بن حنیفہؒ کی نسل کے کچھ لوگ بھی غزنی میں آباد ہوئے۔ یہاں پر ایک ممتاز علوی شاہ عطاءاللہ نامی کو سبکتگین کی افواج کا سپہ سالار بنایا گیا۔

شاہ عطاءاللہ ایک نہایت بہادر اور ماہر جنگجو جرنیل تھا اس کے تین بیٹے ہوئے جن کے نام امیر ساہو، میر قطب حیدر المعروف بابا قطب شاہ اور میر سیف الدین تھے۔

امیر ساہو سلطان محمود غزنوی کا بہت مقرب امیر اور جرنیل تھا۔ اس نے مختلف لڑائیوں میں بہادری کے جوہر دکھا کر سلطان کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ سلطان اس شخص پر از حد اعتماد کرتا تھا۔ اور اس نے اپنی بہن امیر ساہو کے نکاح میں دے دی تھی۔ سلطان کا اعتماد اس پر اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ مختلف مواقع پر سلطان کی عدم موجودگی میں اس کی نمائندگی یا نیابت کے فرائض انجام دیتا تھا۔

بہر صورت عطاءاللہ شاہ کا دوسرا بیٹا میر قطب حیدر المعروف قطب شاہ

یہاں کے اعوانوں کا جدّ اعلیٰ ہے۔ جب کہ شاہ عطاء اللہ کا تیسرا بیٹا میر سیف الدین شاہ ہندوؤں سے جہاد کرتا ہوا شہید ہوا۔

میر قطب شاہ جو یہاں کے اعوانوں کا جدّ اعلیٰ ہے سلطان محمود غزنوی کے دور میں ہرات (افغانستان) کا حاکم تھا۔ سنہ ۱۰۰۱ء میں جب سلطان نے ہند پر فوج کشی کا ارادہ کیا تو میر قطب شاہ نے اپنے تمام قبیلے کے ہمراہ سلطان سے اس جہاد میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی۔ سلطان اس سے بڑا خوش ہوا۔ اور اس نے اعلان کیا کہ میر قطب شاہ اور اس کے ساتھی آج سے ہمارے اعوان (بمعنی مددگار) ہیں۔ اس واقعہ کی نسبت سے میر قطب شاہ کی اولاد نے اپنے آپ کو قطب شاہی اعوان کہلانا شروع کیا۔

جب سلطان محمود غزنوی نے سومنات پر حملہ کیا تو میر قطب شاہ بمع اپنے ہمراہیوں کے سلطان کے ساتھ تھے اور انہوں نے حق و باطل کے اس تاریخی اور فیصلہ کن معرکہ میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ آخر کار ایک شاندار فتح کے بعد میر قطب شاہ نے واپسی پر سلطان سے کالا باغ کے نواح میں دین کوٹ اور اس کا متصل علاقہ جاگیر کے طور پر مانگ لیا۔ سلطان محمود نے بخوشی یہ علاقہ میر قطب شاہ کو تفویض کر دیا۔ قطب شاہ بذات خود کچھ عرصہ تک موجودہ کالا باغ کے نواح میں دین کوٹ کے مقام پر آباد رہے۔ لیکن بالآخر یہ علاقہ اپنے نو بیٹوں کی تحویل میں دے کر واپس غزنی چلے گئے۔ جہاں انہوں نے تئیس ستمبر سنہ ۱۰۳۹ء بروز جمعہ وفات پائی۔

قطب شاہ نے یہاں سے جاتے وقت شاہ پور، اٹک، دھنکوٹ،

اور اس کے نواحی علاقے اپنے بیٹوں میں برابر، برابر تقسیم کر دیئے تھے۔ اس کے ایک بیٹے معظم علی کلغان کے حصے میں قلعہ ڈین کوٹ کے علاوہ جکڑالہ، نمل، سکیسر، تلہ گنگ اور کالاباغ آئے۔ معظم علی کلغان کی ریاست کا مرکز کالا باغ تھا۔ اس کی اولادوں میں سے ایک شخص نواب بندے علی خان سب سے پہلے قلعہ ڈین کوٹ کی سکونت ترک کر کے کالاباغ میں آباد ہوا۔ یہ تقریباً سولہویں صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔ موجودہ نوابین کالاباغ اسی کے اخلاف ہیں۔

کالاباغ کے وڈیرے اپنے دور میں مغلوں کے وفادار رہے۔ تاہم کوہستان نمک میں ان کی حیثیت آزاد حکمرانوں کی سی رہی ہے۔ حتٰی کہ نادر شاہ نے ہند پر حملہ کیا اور یہ علاقہ ایرانی حکومت کے تصرف میں چلا گیا۔

نادر شاہ جب اکتوبر ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا۔ اور احمد شاہ ابدالی افغانستان کا حکمران بنا تو یہ علاقے افغانستان کی سلطنت میں چلے گئے۔ بعدازاں جب کابل حکومت روبہ زوال ہوئی۔ تو پنجاب پر سکھ غالب آ گئے۔ لیکن اعوانوں نے کبھی بھی دل سے سکھا شاہی کو تسلیم نہ کیا۔ جس کے نتیجے میں سکھوں اور اعوانوں میں کئی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ حتٰی کہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور کالاباغ کا علاقہ بھی انگریزوں کی عملداری میں چلا گیا۔

کالاباغ کے موجودہ خاندان کے جد امجد ملک بندے علی تھے۔ جن کے اخلاف میں سے ملک اعظم خان ایک مشہور نواب گزرے ہیں موجودہ نوابین کالاباغ کا شجرۂ نسب ملک اعظم خان تک یوں پہنچتا ہے۔

میانے
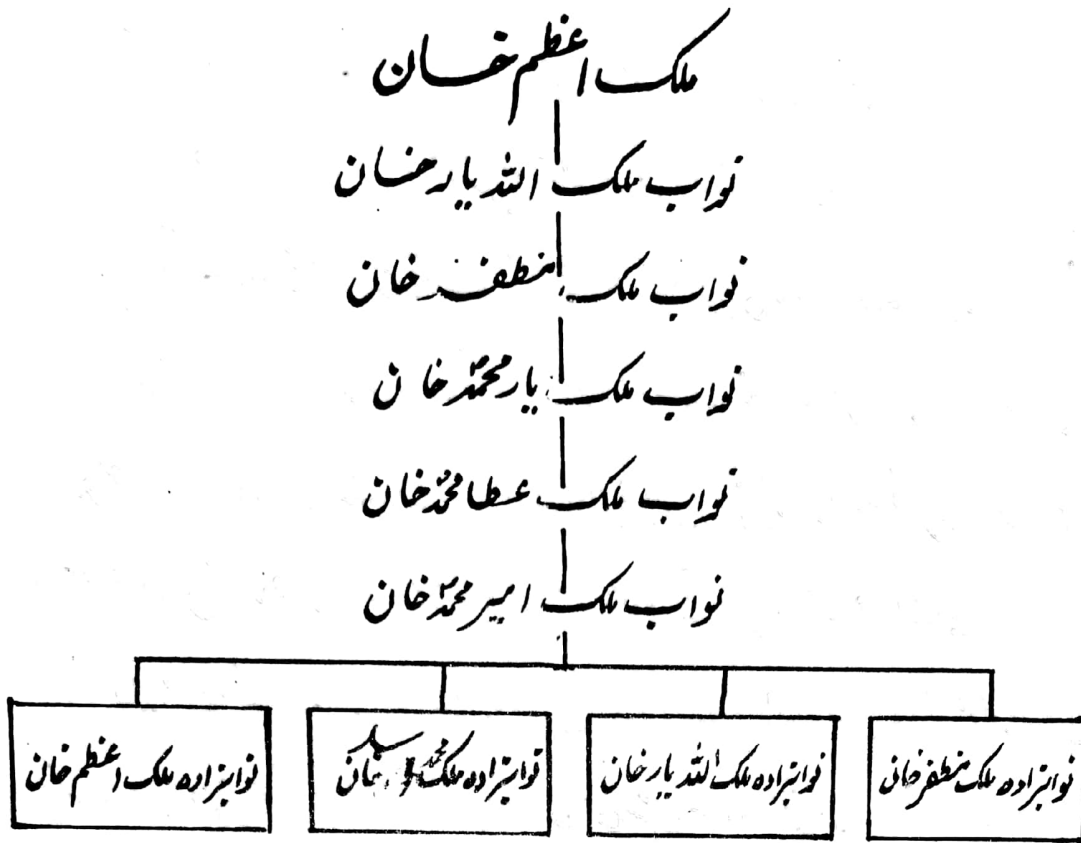
تمام میانے میاں علی کی اولاد ہیں جس کے نام سے میانوالی شہر منسوب و مشہور ہے۔ میاں علی نے قصبہ میانوالی گکھڑوں کے دور میں بسایا تھا۔ یہی وہ بزرگ تھے۔ جنہوں نے مقامی مسلم آبادیوں کو گکھڑوں کے خلاف اتحاد کا درس دیا تھا۔ اور یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ اس علاقے سے گکھڑوں کی حکومت عنقریب ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ سرزمین مسلم آبادکاروں کے لئے مخصوص ہو چکی ہے۔ میاں علی کی یہ پیشگوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور ۱۷۴۷ء میں گکھڑوں کا قلعہ معظم نگر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ اور یوں اس خطہ سے گکھڑوں کو بوریا بستر سمیٹتے ہی بنی۔

حضرت میاں علی کی یہ پیشگوئی پوری ہونے پر یہاں کے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام اور ان سے مذہبی عقیدت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اور آج بھی

میاں علی کے اخلاف، جو میانے کہلاتے ہیں۔ میانوالی میں نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

میاں علی کی سوانح حیات کے متعلق ہمیں کوئی تاریخی مواد نہیں ملتا۔ البتہ ان کے اخلاف میں یہ روایت مشہور ہے کہ موصوف بغداد سے یہاں آئے تھے آپ بلند پایہ صوفی بزرگ تھے اور از حد متقی و پرہیزگار تھے۔

حضرت میاں علی کے بعد ان کا جانشین ان کا اکلوتا بیٹا سلطان ذکریاؒ بنا۔ حضرت میاں ذکریاؒ عرف سلطان ذکری بھی نہایت متقی و پرہیزگار صوفی بزرگ تھے ان سے کئی کرامات منسوب ہیں اور ان کا مزار شریف میانوالی میں مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت سلطان ذکری کا زہد و اتقاد حد سے بڑھا ہوا تھا۔ رات دن یادِ خدا میں محو رہتے تھے۔ اور یہاں کے نیازی و دیگر مقامی آبادکاران سے بے پناہ عقیدت و احترام رکھتے تھے۔

سلطان ذکریاؒ نے کئی سالوں تک یہاں کے مسلمانوں کی روحانی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ حضرت سلطان ذکریاؒ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا حضرت محمدؐ علی جانشین ہوا۔ اگرچہ میاں محمدؐ علی بھی اپنے وقت کا بزرگ انسان تھا۔ تاہم اسے اپنے آباؤ اجداد جیسی شہرت دوام حاصل نہ ہوسکی۔

محمدؐ علی کے تین بیٹے ہوئے جن کے نام چراغ علی، مراد علی اور غوث علی تھے۔ یہ تینوں حضرات حکومت برطانیہ کے دور میں تھے اور حکومت برطانیہ کے وفاداروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ بعد میں بھی میانوں کا خاندان

حکومت برطانیہ کا ساتھ دیتا رہا۔ اس کے باوجود ان لوگوں کا مقامی آبادکاروں میں ازحد احترام کیا جاتا ہے اور ان کے مریدوں کی تعداد ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ہے۔ آج کل چراغ علی، مراد علی اور غوث علی کی اولاد میں میانوالی اور اس کے نواح میں آباد ہیں۔ ان تینوں حضرات کی نسبت سے میانوں کی تین شاخیں مشہور ہیں یعنی چراغ علی خیل، مراد ونذ خیل اور غوث علی خیل۔

میاں مراد علی کے دو بیٹے میاں سلطان علی اور میاں علی نور اپنے دور کے بہت مشہور آدمی تھے۔ خصوصاً میاں سلطان علی بڑے اثر ورسوخ والے انسان تھے۔ میاں سلطان علی کو ان کے بیٹے میاں سردار علی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا میاں سلطان علی اپنے علاقے کے سماجی کارکن کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے۔ جب کہ ان کے دوسرے بھائی میاں علی نور روحانی پیشوا کی حیثیت سے مشہور تھے جن کا کام تعویذ گنڈے وغیرہ کا تھا۔

میاں سلطان علی اور علی نور کے بعد ان کے اخلاف میں سے میاں عباس علی، میاں فضل علی اور میاں فتح شیر میانوں کے تینوں خاندانوں کے سربراہ بنے۔ میانہ خاندان کا ایک اور رکن میاں حیات علی کندیاں کا ذیلدار تھا اور معروف شخص تھا۔ اس خاندان کے ماضی قریب کے اہم ارکان میاں محمد اکبر اور میاں دوست محمد آف بنی تھے جو فوت ہو چکے ہیں۔

اگرچہ میانوں کا موجودہ دور میں پہلے والا اثر ورسوخ نہیں رہا لیکن پھر بھی ان میں ہر دور میں نامور اور اثر ورسوخ والی شخصیتیں رہی ہیں۔ اب ان کا خاندان بھی کافی زیادہ پھیل گیا ہے۔ میانوں کو کوئی شیخ کوئی سید اور کوئی قریشی

کہتا ہے۔ خود میانوں نے بھی اپنی اصل کے متعلق مختلف اوقات میں مختلف
دعوے کئے ہیں۔ لیکن ان کی اصل کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ ماضی میں بودھیوں
کی ایک شاخ میانہ بھی تھی جو سوریوں کے دور میں تاج و تخت ہند سے بہت نزدیک
رہی ہے ممکن ہے یہ ان ہی کے اخلاف میں سے ہوں۔ اور بودھی قبیلہ سے تعلق
رکھتے ہوں۔ جو بھی ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ میانوالی کے عوام میانوں کا ازحد
احترام کرتے ہیں۔

سیّد

میانوالی میں سیدوں کی بھی خاطر خواہ تعداد آباد ہے اور میانوالی
کی زرعی اراضی کے بہترین حصے ان لوگوں کے تصرف میں ہیں
یہ لوگ زیادہ تر سندھ کے کنارے نسبتاً زرخیز زمینوں میں آباد ہیں تحصیل
میانوالی کے جنوب کے سادات میانی کے تمام گاؤں ان کے پاس ہیں۔ یہ
زمین ان لوگوں کو مقامی آبادکاروں خصوصاً نیازیوں نے عقیدتاً اور تحفتہً دی تھی۔
کیونکہ خصوصاً نیازی قبائل سادات کا ازحد احترام کرتے ہیں۔ ماضی قریب
تک ان لوگوں کا مقامی آبادکار پوجا کی حد تک احترام کرتے تھے۔ آج بھی ان لوگوں
کا خاصہ احترام کیا جاتا ہے۔ ماضی میں ان سادات گھرانوں کے اجداد نے یہاں
شہنشاہوں جیسی زندگی بسر کی ہے۔ کیونکہ میانوالی کے نیازی و دیگر آبادکار
ازحد خوش عقیدہ اور پیروں فقیروں کو ماننے والے لوگ ہیں اور ان آبادکاروں
نے ان لوگوں کی ہر خواہش پوری ہے۔

قریشی

قریشی اگرچہ یہاں کوئی زیادہ تعداد میں آباد نہیں۔ لیکن
قریشیوں کا ایک گاؤں "وسے والی قریشیاں" نامی مشہور

ہے۔ جہاں قریشیوں کی اکثریت آباد ہے۔ اس کے علاوہ کئی قریشی خاندان ضلع بھر میں مختلف علاقوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو عربوں کی نسل سے مانا جاتا ہے۔ اور ان کی پارسائی مشہور ہے۔ لوگ انہیں نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جھاڑ پھونک کے علاوہ تعویذ گنڈے بھی ان سے کراتے ہیں۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی مقامی آبادکار جو چند سال قبل قریشی نہیں تھے۔ انہوں نے اپنا شجرۂ نسب بدل کر خود کو قریشی کہلانا شروع کر دیا ہے اس میں شک نہیں کہ کئی قریشی خاندان عربوں کے اخلاف ہونگے۔ لیکن کئی خاندان خود ساختہ قریشی بھی بن چکے ہیں۔ اس لئے "روڑے والی قریشیاں" کے علاوہ دیگر علاقوں کے رہنے والے قریشیوں کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ حقیقتاً قریشی الاصل ہیں۔ نہ ہی کوئی ایسا دستاویزی و تاریخی ثبوت ملتا ہے جو ان لوگوں کو قریشی ثابت کر سکے۔ قریشی یقیناً ان علاقوں میں آئے ہوں گے کیونکہ خلافت بنو امیہ میں ہی عربوں نے سندھ کو فتح کر لیا تھا۔ اور میانوالی کا علاقہ بھی سرزمین سندھ ہی کا ایک حصہ تھا۔ لیکن آج کل قریشی قبائل میں یہ تمیز کرنا کہ اصلی اور نقلی کون ہیں۔ نہایت مشکل ہے قریشیوں کی اکثریت میانوالی کے شمالی حصہ میں آباد ہے۔

جاٹ

جاٹ میانوالی کے تقریباً ہر گاؤں اور ہر قصبے میں آباد ہیں۔ یہ لوگ نیازیوں، بلوچوں کی آمد سے پہلے ہی میانوالی کے علاقوں کو اپنا مامن و مسکن بنا چکے تھے۔ میانوالی کی مٹی کو سونا بنانے میں زیادہ محنت جاٹوں

نے کی ہے۔ ان لوگوں نے اپنی شبانہ روز محنت سے یہاں کی زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا ہے۔ آج جو میانوالی کی سرزمین پر ہرے بھرے کھیت، فصل اور باغات لہلہا رہے ہیں یہ سب ان جفاکش جاٹوں کی محنت کا ثمر ہے۔ حقیقت میں جاٹ برادری نے میانوالی کا حسن نکھارنے میں جو قابلِ قدر کاوشیں کی ہیں۔ جتنی بھی ان کی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہاں آنے والے نیازی اور پٹھان جو زراعت و کھیتی باڑی کے نام سے بھی ناواقف تھے۔ ان جاٹوں نے انہیں زراعت و کھیتی باڑی سکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ نیازی مالکان اور جاٹ مزارعین کا صدیوں سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔

پندرہویں صدی عیسوی سے پہلے اکناف و اطراف سندھ کا ضلع میانوالی پر مشتمل علاقہ گنجان آباد جنگل تھا۔ ضلع کے زیریں حصہ میں متعدد جاٹ قبائل آباد تھے جو غالباً" مویشی پال کر گزر بسر کرتے تھے۔ اس وقت تک سرزمین میانوالی کا زیادہ حصہ اور خصوصاً تھل مکمل طور پر غیر آباد تھا۔ ہر طرف سوروں ہرنوں اور دیگر جنگلی جانوروں کے غول کے غول نظر آتے تھے پندرہویں صدی کے اوائل میں بہاولپور اور ملتان کی طرف سے جاٹ قبائل یہاں آنا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ یہ قبائل تھل اور دریائے سندھ کے کناروں میں آباد ہوتے گئے۔ کچھ ان میں سے دریائے سندھ پار کر کے اس کے دائیں کنارے پر آ بسے۔ بہرحال موجودہ دور میں تھل کا علاقہ جو دریا سے ملحقہ ہے جاٹوں کے تصرف میں ہے۔ جو مالکانِ اراضی ہیں۔

جاٹ خطۂ پنجاب کی قدیم ترین قوم ہے ان کی اصل کے متعلق مؤرخین کے

مختلف نظریے ہیں۔ مشہور ماہر تمدن اور فرانسیسی مستشرق موسیو لی بان نے انہیں قدیم الایام زرد فام تورانی قوم کے اخلاف بتایا ہے جبکہ ایک اور نظریہ ان کے متعلق یہ ہے کہ یہ لوگ سفید ہن نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ لوگ از حد جفاکش مضبوط جسم رکھنے والے اور بہادر و غیور ہیں بہترین کاشتکار ہیں اور ملک کے لئے زمینوں سے سونا اگاتے ہیں۔ نیازی آبادی والے علاقوں میں بھی ان لوگوں کے مزارعین عموماً جاٹ ہی ہیں۔ کاشتکاری و زراعت کا پیشہ جاٹوں ہی کے لئے مخصوص و مختص ہو کر رہ گیا ہے۔

بلوچ

میانوالی کے آبادکاروں میں ایک قدیمی قوم بلوچوں کی بھی ہے یہ جاٹوں کے ورود کے بعد اس سرزمین میں آئے۔ بلوچ قبائل شروع ہی سے جتھوں کی صورت میں رہتے تھے اور ہر قبیلے کا اپنا سردار ہوتا تھا یہ لوگ یہاں بھی اپنے سرداروں کی ماتحتی میں گروہ در گروہ جنوبی علاقوں سے وارد ہوئے۔ یہ لوگ جاٹوں کی نسبت زیادہ منظم تھے اور ایک منظم معاشرتی و قبائلی زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ ان لوگوں کی بھی زیادہ تر آبادی تھل کے علاقوں میں متوطن ہو گئی۔ ان میں سے کئی زمینوں کے مالک بھی ہیں۔ لیکن زیادہ تر اراضی ان لوگوں نے خرید کر حاصل کی ہے۔ ان کی خاصی تعداد ضلع کے جنوبی علاقہ میں اب بھی آباد ہے۔ بلوچ بھی اپنے آپ کو عربوں کے اخلاف بتاتے ہیں اور اپنا شجرۂ نسب حضور اکرمؐ کے چچا حضرت حمزہؓ سے جا ملاتے ہیں بلوچوں کے پاس قدیم ایام میں زیادہ تر بھیڑوں اور اونٹوں کے ریوڑ ہوتے تھے۔

تہذیب و تمدّن

ابتدائیہ

میانوالی پاکستان کے اس خوبصورت علاقے کا نام ہے جس کے دو ہزار دو سو پچیس مربع میل کے رقبے میں پہاڑ بھی ہیں اور ریگزار بھی، جنگل بیلے بھی ہیں۔ اور میرا الارضی کے مرغزار بھی۔ اپنی اس انفرادیت کے اعتبار سے یہ پاکستان کی ایسی سرزمین ہے جو تھل، پہاڑ، کچھی اور میدانی زمینوں کو اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہے۔

تہذیب و تمدّن اور ثقافت کے لحاظ سے بھی اس علاقے کی معاشرت میں قوس قزح کے رنگوں جیسا مختلف تہذیبوں کا حسین امتزاج نظر آتا ہے اور یہاں روہی، کوہستانی، سندھی، ہندی، اور پنجابی تہذیبوں کے متنوع اثرات عجیب طرح سے مل جل کر سب رنگی بہار دکھاتے ہیں۔

یہ خطہ قدیم سندھی تہذیب کا ایک ایسا گم گشتہ باب ہے۔ جس کا کچھ حصہ دریائے سندھ کے پیٹ میں غرقاب ہو چکا ہے، کچھ تھل کے ریگزاروں میں مدفون ہے اور کچھ استوائی سورج کی جھلسا دینے والی گرمی سے جل کر خاکستر ہو چکا ہے اگر آج بھی اس علاقہ میں اثریاتی تحقیقات سائنٹیفک بنیادوں پر کی جائیں تو یقینی طور پر قدیم سندھی تہذیب کے مدفون خزانے دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہاں کے پہاڑوں، ریگزاروں،

اور میدانوں نے بنی نوع انسان کی ہزاروں سال پرانی سندھی تہذیب کو اپنی آنکھوں سے بنتے اور بگڑتے دیکھا ہے۔

یہ علاقہ ایران اور ہندوستان کی تہذیبوں کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا رہا ہے۔ اور ہند میں داخل ہونے والے کئی تہذیبی ریلے یہاں سے گزرے ہیں۔ تورانی، ایرانی، یونانی، کشانی، ساسانی، اور ہن اقوام یکے بعد دیگرے اس سرزمین سے گزری ہیں۔ اور بعد ازاں عربی، غزنوی، غوری، خلجی، لودھی، مغل اور ابدالی لشکریوں کے دھاوے بھی اس سرزمین نے دیکھے ہیں۔ ہند میں داخل ہونے والی بے شمار مختلف الاصل اقوام میں سے کس کس قوم نے اس سرزمین کو اپنا وطن بنایا۔ وہ قومیں کہاں گئیں اور ان کی جگہ کن اقوام نے لی۔ یہ ایک طویل کہانی ہے۔

بہرحال پندرہویں صدی سے قبل میانوالی میں جاٹ قبائل نے اپنے قدم جما رکھے تھے۔ یہ لوگ بہاولپور اور ملتان کی طرف سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ جاٹوں کے بعد بلوچ اس علاقے میں داخل ہوئے یہ بھی جنوب سے آئے تھے۔ ان دونوں قوموں کے بعد نیازیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرزمین میانوالی ان مختلف الاصل اقوام کی متنوع معاشرتوں کے مجموعے پر مبنی خوش رنگ تہذیبی گلدستے کی امین ہے۔

زبان

میانوالی کی مقامی زبان سرائیکی ہے۔ پورے ضلع میں اسے مادری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ البتہ چند گاؤں ایسے بھی ہیں، جہاں پشتو زبان بولی جاتی ہے۔ مثلاً بھنگی خیل اور بنی افغاناں کے خٹک نیز سلطان خیل، بوری خیل اور غنڈی کے نیازی پشتو

بولتے ہیں۔ تاہم سرائیکی زبان بھی سمجھ اور بول لیتے ہیں۔ غنڈی اور بوری خیل کے لوگ تو دو زبانیے ہیں، یعنی پشتو اور سرائیکی دونوں زبانوں کو یہاں مادری زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ البتہ یہاں کی پشتو صوبہ سرحد کی پشتو سے تھوڑی سی مختلف ہے۔

ضلع میں اردو اور پنجابی بھی متعارف ہے بلکہ اردو بولنے والے روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی ایک اہم لسانی خصوصیت یہ بھی ہے کہ دنیا کی ہر زبان نہ صرف سیکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں بلکہ اس کے اصل لہجے اور صحیح تلفظ پر بھی قادر ہو جاتے ہیں۔

اہلِ میانوالی اپنی زبان سرائیکی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ عام سرائیکی لہجے کے مقابلے میں یہاں کے لوگوں کا لہجہ قدرے سخت ہے۔ اور اس میں جنوبی علاقوں کی نرمی کی نسبت ایک درشتی پیدا ہو گئی ہے۔ جو شاید پشتو لہجے کے اثرات کی وجہ سے ہے۔ دراصل لوگوں کے عادات و خصائل اور ذہنی کیفیات ان کی زبان کے لہجوں اور تلفظ پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کے لہجے کی سختی کا عنصر بڑی حد تک لوگوں کے قبائلی پسِ منظر، کھرے اور کھردرے پن، جنگ جُویانہ ذہنی کیفیات اور سخت کوشش زندگی کا مرہونِ منت ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہاں کی سرائیکی روانی، لفظی شکوہ، محاوراتی حسن جامعیت بیان اور دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کرنے میں دنیا کی زبانوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

لباس

یہاں کے لوگوں کا لباس مقامی موسموں سے خاصی ہم آہنگی رکھتا ہے۔ بڑی بڑی چادریں تہمند کے طور پہ باندھی جاتی ہیں۔ ان کے اوپر کھلا کرتا پہننے کا رواج ہے

اور سر پہ بہت بڑی پگ باندھی جاتی ہے، یہاں کے بڑے بوڑھے عموماً سفید لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔ آج کل کپڑے کی صنعت کی ترقی کی وجہ سے رنگ دار اور نفیس کپڑے کا استعمال بڑھ رہا ہے۔ ورنہ پرانے زمانے میں جب کپڑا کھڈیوں پر بُنا جاتا تھا۔ لوگ کھدر کا سفید یا خاکی کپڑا ہی استعمال کرتے تھے۔ زمانہ بدلنے کے ساتھ اب مردوں اور عورتوں کے لباس میں نمایاں تبدیلی آرہی ہے۔ شلوار، قمیص کا استعمال عام ہو رہا ہے اور نئی نسل تہمد اور پگڑی کو ترک کر چکی ہے۔

عادات و خصائل

میانوالی کے لوگ فطری طور پہ بہادر، محنتی اور جفاکش ہیں۔ قبائلی پس منظر اور جغرافیائی حالات نے ان میں ایسی سپاہیانہ اور جنگجویانہ صفات پیدا کر دی ہیں۔ جو انہیں پاکستان کے دیگر ہموطنوں میں ایک ممتاز تشخص بخشتی ہیں۔ مشکلات کا سامنا کرنا اور نہایت صبر و استقلال سے ناسازگار حالات سے نبرد آزما ہونا ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ اپنے حقوق کی حفاظت نیز ذاتی اور قومی وقار کے تحفظ کے لئے ان کے اندر ایک زبردست جذبہ موجود ہے۔ اسلام پہ یقینِ کامل نے ان کی بہادری کو پختہ کر دیا ہے اور اسے شرافت کے بزدلانہ تصور سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک بہادری اور شرافت دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ عزتِ نفس اور غیرت و حمیت کے تصورات یہاں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں اور ان تصورات میں از حد درجہ غلو بعض

اوقات بڑی بڑی پیچیدگیاں پیدا کر دیتا ہے۔ اور ان پیچیدگیوں سے کئی گھمبیر مسائل جنم لیتے ہیں جو عموماً قتل و غارت اور باہمی خانہ جنگی پر منتج ہوتے ہیں۔ لیکن باایں ہمہ یہاں نیکی تقویٰ اور مصالحت کی اعلیٰ قدریں بھی موجود ہیں۔ خصوصاً نیک اور متقی انسان کی قدر و منزلت جتنی اس علاقے میں دیکھنے میں آتی ہے شاید ہی کہیں ہوتی ہو۔ اہلِ تقویٰ اور بزرگانِ دین کی توقیر کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اس بہانے کئی مصنوعی اور ریاکار پاکبازوں کی دکانیں بھی یہاں چمک اٹھتی ہیں کسی کے قابو میں نہ آنے والے یہ خودسر اور منہ زور لوگ اہلِ تقویٰ اور بزرگانِ دین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور ان لوگوں کے توسط سے اکثر اوقات مصالحت اور امن و امان کا بابرکت قیام عمل میں آتا ہے اور نسل درنسل چلنے والی دشمنیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دم توڑ دیتی ہیں۔ یہاں کے لوگ بات کے کھرے اور معاملے کے پکے ہیں۔ ایفائے عہد ان کی گھٹی میں شامل ہے اور ان میں منافقت کی بیماری بہت کم ہے یہ دوستوں کے بہترین دوست اور دشمنوں کے بدترین دشمن ہیں سچی اور کھری بات کہنے سے نہیں کتراتے اور منہ پہ کہہ دیتے ہیں۔ دوستی اور ایثار یہاں کے لوگوں کی عام خصوصیت ہے اور اس سلسلے میں یہ لوگ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جسے اپنا دوست بنالیں اس سے کبھی دغا اور فریب نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے تن من دھن قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا جذبہ اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ بعض اوقات ان کی ہر جائز و ناجائز بات کی حمایت کی جاتی ہے یہاں کے لوگوں کی ایک اور اہم خصلت مہمان نوازی ہے۔ انسانیت کی اعلیٰ قدر جو مادہ پرستی کے اس دور میں آہستہ آہستہ ناپید ہوتی

جا رہی ہے ان علاقوں میں پوری طرح زندہ اور روبہ عمل ہے مہمان کو یہاں خدا کی رحمت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کی خدمت کو باعثِ فخر سمجھا جاتا ہے۔ مذہب سے محبت یہاں کے لوگوں کے رگ وپے میں سمائی ہوئی ہے۔ نماز روزے کی پابندی مذہبی اجتماعات میں شرکت، صدقات، خیرات اور دیگر دینی معاملات سے لگاؤ یہاں معمول کی باتیں ہیں۔ یہاں کے لوگوں کی اکثریت بریلوی مسلک سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے عرس، مزاروں پر چڑھاوے، اور گیارہویں شریف کا رواج عام ہے۔

یہاں کی ایک اور خاص بات محلہ داری ہے۔ ایک ہی محلہ میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے بہت قریبی تعلقات رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں دل وجان سے شریک ہوتے ہیں۔ گھریلو کاموں، مکانوں کی تعمیر فصلوں کی کٹائی اور دیگر تمام امور میں یہ لوگ ایک دوسرے کی مکمل معاونت کرتے ہیں۔ کسی محلہ دار پر کوئی بھی افتاد آ پڑے تو ارد گرد کے لوگ جوق در جوق جمع ہو جاتے ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی مشکل حل کرنے کی کوششیں کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان بستیوں میں رہنے والے کبھی عدمِ تحفظ کا شکار نہیں ہوتے۔

ان اچھی عادات وصفات کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں میں چند بُری خصلتیں بھی پیدا ہو چکی ہیں جن میں سرِفہرست نہایت معمولی بات پر جھگڑا اور فساد ہے یہ لوگ غصے میں انجام سے ایسے بے پرواہ ہو جاتے ہیں کہ نوبت قتل وغارت تک جا پہنچتی ہے۔ اور جب قتل ہو جاتا ہے تو پھر بدلے کا سلسلہ چل نکلتا ہے اور اس سلسلے میں اصل مجرم اور قاتل کی جگہ اس کے کسی قریبی بے گناہ رشتہ دار کو بھی بدلہ

یں قتل کر دینے سے نہیں چوکتے ۔

بہرحال حیران کن بات یہ ہے کہ برسوں کی قتل وخونریزی کے بعد جب دو فریقوں میں صلح ہو جاتی ہے تو وہ ماضی کے سارے زخم بھلا دیتے ہیں۔ اور آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں ۔ ان لوگوں کے بُرے خصائل میں نسلی برتری کا احساس اور تعصب بھی شامل ہے۔ یہ تعصب اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ یہ لوگ دوسرے قبیلوں میں شادی کرنا بھی معیوب تصوّر کرتے ہیں ۔ حالانکہ اسلام کا بنیادی تصور ہی نسلی برتری اور تعصب کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ لیکن اسلام سے گہری وابستگی کے باوجود یہاں کے لوگوں نے اسلام کے اس تصوّر کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔

یہ تمام بری خصلتیں دراصل تعلیمی پسماندگی اور اقتصادی بدحالی کی پیداوار ہیں ۔ ان دورافتادہ علاقوں میں جوں جوں تعلیم عام ہوتی جا رہی ہے توں توں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں ۔ اور وہ دن دور نہیں جب یہاں کے لوگوں کی بری اور ناپسندیدہ خصلتیں مکمل طور پر دم توڑ دیں گی اور نیک خصلتیں پوری آب و تاب سے دکھائی دینے لگیں گی

شادی بیاہ کی رسُومات

شادی عموماً دونوں طرف کے والدین، سرپرست یا خاندان کے بزرگ باہمی مشورے سے کرتے ہیں۔ دلہن سے شاذ و نادر ہی مشورہ لیا جاتا ہے جبکہ دولہا سے بھی فقط واجبی و رسمی طور پر مشورہ لیا جاتا ہے۔ عموماً دولہا اور دلہن، والدین کے اس فیصلہ کو دل و جان سے تسلیم کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے موجودہ معاشرے کے پڑھے لکھے لوگ بیٹوں اور بیٹیوں

سے مشورہ کر لیتے ہوں لیکن ماضی میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔

شادی میں عام پنجابی اقوام کی طرح پہلے منگنی کی رسم ہوتی ہے۔ لیکن منگنی کی انگوٹھی جیسے پنجاب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی دونوں جانب کے چند بزرگ جمع ہو کر ایک جگہ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ممکنہ و متوقع مسائل کو افہام و تفہیم سے انجام دے کر اس رشتہ کے دوام اور خیر و برکت کی دعا مانگتے ہیں بعض اوقات منگنی کے ساتھ نکاح بھی کر دیا جاتا ہے جبکہ رخصتی سازگار حالات تک، کے لئے مؤخر کر دی جاتی ہے۔ نکاح کے موقع پر دلہن کی جانب سے ایجاب و قبول ہمیشہ دلہن کے وکیل کے ذریعے ہوتا ہے۔ دلہن کا وکیل عموماً دولہا کے دوستوں یا رشتہ داروں میں سے ہوتا ہے۔ جو دلہن کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے "دم بھرا" یعنی منہ بولا بھائی بن جاتا ہے۔ یہ "دم بھرا" یا منہ بولے بھائی اپنی بہنوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اور خوشی و غمی کے مختلف موقعوں اور تہواروں پر انہیں تحفے تحائف اور حقے بخرے بھیجتے رہتے ہیں۔ شادی کی مخصوص رسومات کا آغاز تاریخ کے تعین سے ہی ہو جاتا ہے۔ جسے مقامی زبان میں "دیہاڑے رکھنا" کہتے ہیں شادی کی تاریخ کے تعین کے ساتھ ہی فریقین کی عورتیں اپنے رشتہ داروں، محلہ داروں اور قرابت داروں کی عورتوں کو نائن کے ذریعے شادی کی تاریخ سے آگاہ کرتی ہیں۔ اور انہیں رات کو گانے بجانے کے لئے اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی ہیں۔ یوں عورتوں کی ٹولیاں شادی بیاہ والے گھروں میں سرِشام جمع ہو جاتی ہیں۔ اور ڈھولک اور تھالی کی تھاپ پر رات گئے تک کورس کی شکل میں گیت الاپتی رہتی ہیں۔ یہ سلسلہ شادی کی تاریخ تک جاری رہتا ہے۔

یہ تو حال تھا اندرونِ خانہ خواتین کی خوشیوں کا جب کہ مرد صرف دولہا پارٹی کے خوشیاں مناتے ہیں۔ عموماً ایسے موقعوں پر میراثیوں کی ٹیم بلائی جاتی ہے۔ جو ڈھول شہنائی اور دیگر مخصوص مروجہ سازوں کے ساتھ آجاتے ہیں۔ ڈھول و شہنائی کی گونج پہ مرد حضرات بھی آدھی آدھی رات تک اپنے علاقائی ناچ ناچتے رہتے ہیں اور کافی ہلہ گلہ مچاتے ہیں۔

پنجاب کے دیگر خطوں کی طرح یہاں بھی دولہا کے اردگرد ہر وقت اُس کے شہ بالوں کا جھمگٹا ہوتا ہے۔ جو عموماً مسلح ہوتے ہیں۔

شادی کی دیگر چھوٹی رسومات میں "اٹھی جاگ لالہ" کی رسم کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ ایک گیت اور ٹپے کی شکل ہے جو دولہا پارٹی کی عورتیں دولہا کے شہ بالوں سے نقدی بٹورنے کے لئے شادی کی آخری رات گاتی ہیں۔

کم و بیش پورے پنجاب میں یہ رواج عام ہے کہ شادی والے دن دولہن والے تمام براتیوں کے کھانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ لیکن میانوالی میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ دولہا پارٹی والے اپنے براتیوں اور مہمانوں کے کھانے کا خود بندوبست کرتے ہیں۔ جب کہ دلہن والے برات کی صرف حقہ پانی سے ہی تواضع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دعوتِ ولیمہ کی رسم بھی یہاں خال خال ہوتی ہے۔ اس موقع پر تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ دولہا کے عروسی جوڑے کا اہتمام دلہن والے کرتے ہیں اور دولہا میاں یہ جوڑا دلہن کے گھر جا کر پہنتا ہے۔ عروسی جوڑا زیب تن کرنے کے بعد دولہا میاں اپنے شہ بالوں کی معیت میں انگوٹھی لینے جاتا ہیں۔ ایسے موقع پر ساس کی طرف سے دولہا اور اس کے شہ بالوں کو چوری بھی کھلائی جاتی ہے۔

طلاق اور کثرتِ ازدواج

طلاق کو یہاں بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور شاذ و نادر ہی اس کی نوبت آتی ہے کیونکہ طلاق عموماً یہاں کے جنگ جو قبائل کے درمیان ایک بدترین دشمنی کا باعث بن جاتی ہے۔ طلاق کو دلہن پارٹی والے اپنی ذات پر بہت بڑا حملہ تصور کرتے ہیں اور اسے کسی صورت میں برداشت نہیں کرتے۔

یہاں اگرچہ دیگر اسلامی معاشروں کی طرح ایک سے زیادہ شادیوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور ماضی میں یہاں کے لوگ اپنے قبیلے کی افرادی قوت میں اضافہ کی خاطر ایک سے زیادہ شادیاں کرتے رہے ہیں۔ لیکن آج کل ایسا نہیں ہوتا دوسری شادی عموماً اس صورت میں کی جاتی ہے۔ جب کہ کئی برسوں کے بندھن کے بعد بھی شوہر پہلی بیوی سے اولادِ نرینہ حاصل نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں عالی حالات جدید تعلیم، ہند و تہذیب کے اثرات اور موجودہ عائلی قوانین بھی دوسری شادی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

پیدائش کی رسومات

یہاں کے لوگوں میں بیٹے کی پیدائش پر بہت زیادہ خوشیاں منائی جاتی ہیں مبارکبادیں وصول کی جاتی ہیں اور شیرینیاں اور مٹھائیاں تقسیم کی جاتی ہیں جب کہ بیٹی کی پیدائش پر خاندان والوں کے سر جھک جاتے ہیں اور ان کے چہروں پر غم کی گہری پرچھائیاں چھا جاتی ہیں۔ ایسے موقع پر کوئی مبارکباد دینے کی جرأت

بھی نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ پنجاب کی دیگر اقوام کے برعکس یہاں کی بیٹیاں والدین کے لئے کوئی قابلِ ذکر مالی بوجھ ثابت نہیں ہوتیں۔ کیونکہ میانوالی کا معاشرہ جہیز کی لعنت سے پاک ہے۔ یہاں جس شخص کے ہاں اولادِ نرینہ نہ ہو اسے بے چارہ "اونترا" اور "ڈنگھرا" کہہ کر ہمدردی جتائی جاتی ہے۔

عورتوں کی حیثیت

یہاں کے معاشرے میں عورت کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ عورت کی شرم و حیا اور پاکیزگی پر لوگ فخر کرتے ہیں۔ یہاں کی عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ روزمرہ کے کاموں میں حصہ لیتی ہیں۔ مرد کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں تو عورتیں ان کے لئے روٹی پانی کا اہتمام کرتی ہیں۔ فصل کی کٹائی کے موقع پر عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر کام کرتی ہیں۔

یہاں کے معاشرہ میں عورت پر کوئی ناروا پابندیاں عائد نہیں ہیں۔ بلکہ عورت ہر طرح سے آزاد ہے اور پورے حقوق کی مالک ہے جب تک کہ شرم و حیا کے پردے میں رہے۔ یہاں اگرچہ عورت کے صاف ستھرا رہنے اور اچھے کپڑے اور زیورات پہننے پر کوئی قدغن نہیں ہے لیکن ایسے بناؤ سنگھار اور لباس کی بہرحال حوصلہ شکنی کی جاتی ہے جس سے مردوں کے جنسی جذبات کی انگیخت کا سامان پیدا ہوتا ہو۔ یہاں کے لوگ عورتوں کی ناموس پر کٹ مرتے ہیں۔ اور ان کی طرف اٹھنے والی بری نگاہ کبھی سلامت نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ عورتوں کو تمام گھریلو معاملات میں رائے دینے کا حق حاصل ہے بلکہ اکثر معاملات بشمول شادی بیاہ تو عورتوں ہی کی مرضی سے ہوتے ہیں یہاں کی دوشیزاؤں کو خصوصی طور پر احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور انہیں صرف بیٹی اور بہن ہی سمجھا جاتا ہے یہاں کے خود سر قبائل کے درمیان لڑائی جھگڑے کی صورت میں کوئی دوشیزہ اگر جنگ بندی کی اپیل کرے تو اسے فوراً مان لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ کال سرِی" یعنی کنواری کی التجا ہے۔

موسیقی اور شاعری

یہاں کے لوگ موسیقی کے رسیا ہیں شادی بیاہ اور دیگر خوشی کے موقعوں پر یہاں موسیقی کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ ماہیئے، ٹپے، دوہڑے اور کافیاں یہاں کی شاعری کی مخصوص اصناف ہیں، جنہیں لوگ سندھڑی، بھیروی اور پہاڑی سُروں میں گایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کانڑا اور مالکوس کو بھی یہاں کافی پسند کیا جاتا ہے۔ شادی کی تقریبات پر بعض اوقات سوانگ رچانے والے نٹوں اور میراثیوں کو بھی بلایا جاتا ہے۔ جو سٹیج ڈراموں کی طرز پر لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، سسی پنوں، راجہ رسالو، اور راجہ سرکپ وغیرہ کے منظوم قصے اداکاری کے ساتھ گا گا کر پیش کرتے ہیں۔ ماہیئے اور دوہڑوں کو یہاں کی شاعری اور موسیقی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دوہڑہ کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں، جب کہ ماہیا پنجابی ٹپے کی ایک قسم ہے۔ خواجہ غلام فرید کی کافیوں کو یہاں کے لوگ بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ عہدِ ماضی میں

یہاں کی مشہور گلوکارائیں، بدرو بائی، عنایت بائی، اور زاہدہ پروین تھیں۔ جن کے مشہور گراموفون ریکارڈ آج بھی اس علاقے کے بڑے بوڑھوں نے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ موجودہ دور میں عطاء اللہ خان عیسیٰ خیلوی، منصور ملنگی، گل بہار بانو، ثریا ملتانیکر، عنایت حسین بھٹی، عابدہ پروین اور شاہدہ پروین وغیرہ کی گائیکی کو اس علاقے کے عوام میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔

Scanned by CamScanner

میانوالی کے اولیائے کرام کا تذکرہ

جاننا چاہیئے کہ اولیائے کرام وارثِ انبیاءؑ ہونے کے ناطے زمین پر رحمتِ الٰہی کا سایہ ہوتے ہیں اگر دنیا اولیائے کرام کے وجود سے خالی ہو جائے تو یقیناً" روحِ انسانیت تڑپ تڑپ کر دم توڑ دے۔ انسانیت کی بقا اور سلامتی کے لئے صالحین کا وجود آبِ حیات کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ لوگ لاریب زمین پر خدائے تعالیٰ کی حجت اور نشانی ہیں۔ ان کی جبینیں بارگاہِ ربوبیت میں سجدہ ریز رہتی ہیں اور ہاتھ انسانوں کی فلاح، ہدایت اور سلامتی کے لئے بارگاہِ ربّ قدوس میں دعا کے لئے اٹھے رہتے ہیں۔ ان کی راتیں ذکرِ الٰہی میں گذرتی ہیں۔ تو دن خلقِ خدا کی خدمت میں۔ ان کے قلوب معرفتِ ربِ جلیل کے خزینے ہوتے ہیں اور زبانیں رشد و ہدایت کا سرچشمہ، انسانیت کی کھیتی کو اگر رشد و ہدایت کے ان سوتوں سے سیرابی نہ ملتی تو یہ کبھی کی بے آب و گیاہ ہو چکی ہوتی۔ یہ لوگ ہر دور میں نور و ظلمت کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتے ہیں۔ صدق و صفا اور زہد و اتقا ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہوتے ہیں۔ گویا انسانیت کی قدریں انہیں لوگوں کے دم سے زندہ ہیں۔ بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کی موافقت کا حکم تمام مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ؀

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں (صدیقوں) کے ساتھ رہو۔

جو لوگ ان سچوں سے انحراف کرتے ہیں وہ سراسر گھاٹے کا سودا کرتے ہیں

اور جو ان کی بزرگی کا انکار کرتے ہیں وہ خدا کی آیات سے منہ موڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ خود حضور پر نورؐ اور ان کے صحابہ کرامؓ ان لوگوں سے محبت اور موافقت کی یوں دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحَبِّبْ بِقُرْبَتِیْ اِلٰی حُبِّكَ وَجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدْ۔

ترجمہ: (اے اللہ مجھے اپنی محبت عطا فرما جو اپنے محبوب بندوں کی محبت عطا فرما اور اس چیز کی محبت عطا فرما جو مجھے تیری محبت میں قریب فرما دے اور اپنی محبت مجھ پر اس سے بھی زیادہ غالب فرما جو پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے ہوتی ہے۔)

ہم پر لازم ہے کہ ان لوگوں سے موافقت اختیار کریں۔ ان سے محبت رکھیں اور ان کی اطاعت کو اپنا شعارِ حیات بنائیں۔ ان لوگوں کی اطاعت دراصل خدا اور رسولؐ ہی کی اطاعت ہے۔ کلام پاک میں واضح حکم موجود ہے کہ

وَتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۔

(جس شخص کا میلان میری طرف ہو اس کی اطاعت کرو)

یہی وہ انعام یافتہ لوگ ہیں جن کا راستہ صراطِ مستقیم ہے اور ان کے راستے کے سوا ہر راستہ ضلالت، اور گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ جو لوگ اولیائے کرام سے بغض و عناد رکھتے ہیں وہ دراصل خدا اور رسولؐ سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم اپنے قارئین پر واضح کرتے چلیں کہ کسی بھی

مسلم قوم یا قبیلے کی تاریخ اس کے بزرگانِ دین و صالحین کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو ہوا و ہوس کے پجاری انسانوں نے بادشاہتیں، عہدے، جاگیریں اور دنیاوی جاہ و حشم کے حصول کے لئے لڑائیاں لڑیں۔ انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا۔ بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ انسانیت کے جامے سے باہر نکلے۔ ظلم کی تلوار ہاتھ میں پکڑی اور غرور و تکبر کا کلاہ سر پر رکھ لیا۔ لیکن دوسری طرف انہیں میں سے ایسے حق پرست اور ایثار پیشہ اللہ والے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے پیٹ پر تو پتھر باندھ لئے اور دوسروں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ اپنی اولاد کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور دوسروں کی اولادوں کے لئے راحت کا سامان پیدا کیا۔ ان لوگوں نے انسانیت کی بے غرض اور بے لوث خدمت کی۔ چنانچہ کسی قوم یا قبیلے کے دنیادار وڈیروں کی روداد لکھتے وقت اس کے روحانی بزرگوں کا تذکرہ نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ لہٰذا ضروری ہے نیازی قبیلے کے شاہوں اور امیروں کی تاریخ کے ساتھ ایسے نیک طینت اور پاکباز لوگوں کے حالاتِ زندگی بھی درج کر دیئے جائیں جن کا تعلق نیازی قبیلے سے یا نیازیوں کی سرزمین میانوالی سے ہے۔ تاکہ قارئین ان پاک نفس ہستیوں سے تعارف حاصل کر سکیں اور عملی زندگی میں ان سے تقلید اختیار کر کے اپنی عاقبت کو سنوار سکیں۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو اولیائے کرام و صالحین کی محبت، موافقت اور اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ابوالسالکین حضرت باہی رح بن نیازی:- حضرت باہیؒ نیازی کے سب سے بڑے فرزندِ ارجمند تھے

آسمانِ ولایت کے درخشندہ ستارے تھے۔ آپ کو ولایت ننھیال کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ آپ کا ننھالی رشتہ شیخ بہٹن افغانی کے گھرانے سے تھا۔ شیخ بہٹن اپنے دور کے کبار اولیائے کرام و مشائخ میں سے تھے جو زہد و تقویٰ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے حضرت باہیؒ کے دادا جناب ابراہیم لودھیؒ بھی اپنے دور کے عارفِ کامل تھے جن کی روحانی تربیت جناب شیخ بہٹن افغانی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ حضرت باہیؒ نے اپنے دیگر بھائیوں کے برعکس زہد و تقویٰ اور سلوک و طریقت کی راہ اختیار کی۔ خدائے تعالےٰ نے حضرت باہیؒ کی پشت سے لاتعداد ولی کامل، قطب اور غوث پیدا کئے۔ آپ اسی باہی خاندان کے جدِ امجد ہیں جس میں آج تک صوفیائے کرام تواتر سے پیدا ہوتے چلے آرہے ہیں۔ باہی خاندان زہد و تقویٰ کی بنا پر شہرت عام کا حامل ہے۔

حضرت باہیؒ کے مزار کی نشاندہی کرنا از ماننا از حد مشکل ہے۔ غالباً آپ کی وفات غزنی کے نواح میں ہوئی ہوگی۔ کیونکہ آپ کی نسلیں وہاں سے نقل مکانی کے مراحل سے گزرنی صدیوں کے عمل کے بعد اب خطۂ پاکستان میں مقیم ہیں۔

قطب الاقطاب حضرت شیخ میچنؒ

حضرت شیخ میچن نیازی قبیلے کے نہایت مشہور و معروف بزرگ ہو گزرے ہیں آپ کا مزار کوہ دانہ (وزیرستان) میں مرجع خاص و عام ہے آپ بلا شبہ اپنے دور کے قطب تھے۔ آپ نیازیوں کی سود شاخ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں نقل کیا گیا ہے۔

"شیخ میچنؒ بن حام بن سور بن آلا بن عیسٰے بن خاکو بن نیازی"

کمسنی سے ہی آپ کی طبیعت ذکر و فکر کی طرف مائل تھی اور دنیا داری سے تقریباً بے نیاز تھے۔ ابتدا میں آپ کا مشغلہ ریوڑ چرانا تھا۔ آپ گھر سے ریوڑ ہانک کر چراگاہ میں لے جاتے اور وہاں اپنے ریوڑ کو خداتعالےٰ کے سپرد کرکے خود عبادت میں معروف ہوجاتے تھے۔ خدا کی شان کہ آپ کی بھیڑوں کے نزدیک بھیڑیئے بھٹکتے تک نہیں تھے۔ جب کہ اس زمانے میں ان پہاڑوں میں بھیڑیوں کی اس قدر بہتات تھی کہ چرواہوں کی ذراسی غفلت کی وجہ سے بھیڑیں اٹھا کر لے جاتے تھے لیکن اسے حضرت شیخ میچن کی عہد طفلی کی کرامت سمجھئے کہ ان کی بھیڑوں کو کبھی بھی بھیڑیوں نے نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

عبادات اور ذکر و فکر میں شدت کی وجہ سے آپ پر ہر وقت کیف و مستی کا عالم طاری رہتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ دوران عبادت آپ کے دل میں عشق الٰہی اور جذب و کیف کی ایک ایسی لہر اٹھی کہ آپ اپنے ریوڑ سے بے نیاز ہو کر چکی کی طرح گھومنے لگے۔ لوگوں نے جب انہیں اس عالم میں دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ شخص چکی کی طرح کیوں گھوم رہا ہے؟ چکی کو پشتو زبان میں میچن کہتے ہیں بس اسی دن سے آپ کا نام میچن مشہور ہوگیا۔ آپ کا حقیقی نام کیا ہے روایات اس بارے میں خاموش ہے۔

حضرت میچن نے اپنی تمام زندگی جذب و کیف کے عالم میں گزاری۔ سوز و گداز اور جذب و مستی کے اس پیکر کے مزار پر آج بھی نور الٰہی کی بارشیں برستی ہیں اور سالکین راہ طریقت وہاں سے روحانی راہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔

حضرت عبدالکریم باہیؒ شین سترگے

حضرت شیخ عبدالکریم باہیؒ پندرہویں صدی عیسوی کے صوفی بزرگ تھے۔ آپ کا تعلق باہی خاندان سے تھا۔ حضرت عبدالکریمؒ موسیٰ خیل، میانوالی اور لادھ کے تمام باہی خاندانوں کے جدامجد ہیں۔ آپ کا مزار شریف بھی وزیرستان میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کو شین سترگہ یعنی سبز آنکھوں والا کہتے ہیں۔ روایت کے مطابق موجودہ گاؤں موسیٰ خیل کی سرزمین کو یہ اعزاز حاصل ہے۔ کہ حضرت عبدالکریمؒ باہی بنفس نفیس وہاں چل کر آئے تھے اور اپنی اولادوں کو وہاں کی سرزمین جو اس وقت تک کفر و ضلالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی آباد کر گئے تھے۔ حضرت عبدالکریمؒ کے چھ بیٹے تھے جو موسیٰ خیل کی سرزمین میں آباد ہوئے اور انہوں نے وہاں کی غیر مسلم اقوام میں اسلامی تبلیغ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت عبدالکریمؒ عارفِ کامل تھے۔ اور نہایت مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔

حضرت شیخ تورؒ باہی

حضرت شیخ تورؒ باہی کا تعلق حضرت شیخ عبدالکریمؒ کے اخلاف سے ہے آپ اپنے دور کے بہت بڑے روحانی پیشوا اور مبلغ دین تھے آپ کی ساری زندگی تبلیغ اسلام میں گزری۔ آپ کا مزار شریف موسیٰ خیل سے کافی دور ایک دور افتادہ پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔ جو آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔ سرزمین میانوالی جو غیر مسلم گکھڑوں، ہندوؤں اور دیگر غیر مسلم قوموں کا گڑھ تھا۔ وہاں حضرت شیخ تورؒ نے نورِ ایمان کی شمع جلائی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ غیر مسلم قومیں دائرہ اسلام

میں داخل ہو گئیں۔ حضرت شیخ نورؒ کا یہ کارنامہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی تعریف الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

حضرت شیخ نورؒ سے بے شمار کرامات سرزد ہوئیں جن میں سے بڑی کرامت جو یہاں کے عوام میں زیادہ مشہور ہے وہ آپ کا دیوار پر بیٹھ کر سواری کرنا ہے۔ اسی نسبت سے آپ کا نام شیخ نورؒ کندھاں ٹور مشہور ہے یعنی دیواروں کو متحرک کرنے والے۔ یقیناً انھوں نے پتھر کی دیواروں جیسے بیسیوں مردہ دل کافروں کو ایمان کے راستے پر متحرک کیا ہو گا۔

آپ میانوالی کے باہی خانوادے کے سرخیل د جدامجد شیخ عبدالکریمؒ کے پڑپوتے اور شیخ احمدؒ کے بیٹے تھے۔ حضرت شیخ نورؒ کے والد بزرگوار حضرت شیخ احمدؒ باہی بھی اپنے دور کے عارف کامل تھے۔ جنھوں نے حضرت شیخ نورؒ کی روحانی تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی۔ آپ کا شجرۂ نسب شیخ نورؒ بن شیخ احمدؒ بن بھائی بن عبدالکریمؒ ہے۔

حضرت شیخ نورؒ آسمانِ ولایت کے تابندہ سورج کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ جس کی روشنی میں تمام ستارے ماند پڑ جاتے ہیں۔ حضرت شیخ نورؒ کے مزار پر حاضری دینے والے زائرین کے لئے ضروری ہے کہ ان کے مزارِ اقدس پر رات بسر کریں اور جو نذر و نیاز ساتھ لے کر جائیں وہیں کھا کر آئیں۔ حضرت شیخ نور کا مزار مقدس انوارِ الٰہی کا منبع ہے کہتے ہیں کہ وہاں جو بھی دعا مانگی جائے فوراً قبولیت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

حضرت شیخ نورؒ کی اکثر اولاد بوری خیل میں آباد ہے بوری خیل قبیلہ کے

لوگ حضرت شیخ نورؒ کے اخلاف کو تبرک کے طور پر اپنے ساتھ لے گئے تھے

جہاں ان کی نسلیں خوب پلی بڑھیں۔

موسیٰ خیل میں بھی حضرت نورؒ باہی کی اولادیں آباد ہیں استاذی المکرم

جناب عبدالرحیم باہی اور شیخ معصوم باہی کے خاندانوں کا تعلق شیخ نورؒ سے ہے۔

حضرت شیخ نورؒ موسیٰ خیل کے نواح میں کافی عرصہ مقیم رہے موسیٰ خیل کے شمال

میں ایک جگہ ان سے منسوب ہے جو درختوں کے ایک جھنڈ میں پوشیدہ ہے۔

اپنے دور کے اس مسیحا کا فیض جس کے ہاتھ میں بے جان چیزیں بھی بول

اٹھتی تھیں اور جس کے دستِ مبارک پر مردہ روح کافر بھی بیدار دل مسلمان

بن جاتے تھے۔ ان کی نسلوں کے ذریعے آج بھی جاری وساری ہے کہتے ہیں

کہ زائرین مرادوں کی جھولیاں بھر کر آپ کے مزارِ اقدس سے لوٹتے ہیں۔

حضرت شیخ مرزاؒ ابن شیخ نورؒ باہی

حضرت شیخ مرزاؒ کا مزار شریف بھی اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ نورؒ کے پہلو میں واقع ہے آپ بھی اپنے والد بزرگوار کیطرح راہ طریقت کے سالک تھے اور صوفی و درویش بزرگ تھے۔ حضرت شیخ نورؒ نے آپ کی روحانی تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی اور انہوں نے بھی اسلام کی تبلیغ میں اپنے والد محترم کے شانہ بشانہ حصہ لیا تھا۔ اور ان کے ساتھ سفر و حضر کی تکالیف برداشت کی تھیں۔ حضرت شیخ مرزا حضرت شیخ نورؒ کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رکھا۔

حضرت شیخ مرزاؒ کا مزار شریف بھی مرجع خاص و عام ہے۔

حضرت شیخ محمودؒ باہی المعروف بہ استاد جیؒ

باہی قبیلے کے اس چشم و چراغ کو دنیا سے رخصت ہوئے ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں۔ ان کا مزار پر انوار دامن ڈھک میں وچی والے قبرستان میں مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت شیخ محمودؒ کا تعلق سرزمینِ موسیٰ خیل سے تھا۔ آپ کے ہزاروں معتقدین و مریدین پاکستان کے مختلف کونوں و گوشوں میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ محمودؒ اپنے دور کے قطب تھے۔ آپ کا تعلق نقشبندی مجددی سلسلہ طریقت سے تھا آپ اتنی صاف و شفاف شخصیت کے مالک تھے کہ ہر مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ آپ نہایت خاکسار مسکین، حلیم الطبع انسان تھے۔ کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کرتے تھے۔ آپ کا نورانی چہرہ ابھی تک موسیٰ خیل کے لوگوں کے دلوں پر نقش ہو گا۔ اجلی اجلی بزرگ شخصیت، سفید بے داغ لباس، خوبصورت، و شفاف مدور چہرہ، سفید ریش مبارک، آپ زمزم میں ڈھلی ہوئی شیریں زبان جس سے تا دمِ مرگ رشد و ہدایت کے سوتے پھوٹتے رہے۔ اور سالکانِ تشنہ لب اپنی اپنی پیاس بجھاتے رہے۔ حقیقت میں جن لوگوں نے ان کی زیارت کا شرف پایا ہے وہ ابھی تک یقین ہی نہیں کر سکتے کہ آسمانِ موسیٰ خیل کا یہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ آپ نے کم و بیش زندگی کے ۸۵ سال موسیٰ خیل گاؤں میں گزارے۔ آپ کو نہ تو مولوی و واعظ بننے کا شوق تھا اور نہ ہی پیر و مرشد کہلوانے کا نہایت خاکساری سے زندگی گزاری اپنے ملنے والوں سے بڑی عاجزی سے فرمایا کرتے تھے "میں تو نہایت روسیاہ و گنہگار ہوں۔"

اس عاجزی، خاکساری اور مسکینی کے باوجود آپ کے مریدوں اور عقیدتمندوں کی تعداد ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں میں شمار ہوتی ہے۔

آپ اس قدر خلیق، حلیم، شفیق اور ملنسار تھے کہ جو کوئی ایک بار آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کر لیتا زندگی بھر یہی کہتا رہتا کہ حضرت استاد جیؒ مجھ پر خصوصی طور پر مہربان ہیں۔ بالفاظِ دیگر آپ عملی زندگی حضور نبی کریمؐ کے اسوۂ حسنہ کی مکمل تفسیر تھے۔

موسیٰ خیل اور گرد و نواح کے دور افتادہ علاقوں میں رہنے والے آپ کو شادی بیاہ کے موقع پر جھگڑوں اور خانہ جنگیوں کے تصفیے اور اپنے بیماروں کو دم کروانے کے لئے اپنے ساتھ گھر لے جایا کرتے تھے۔ حضرت استاد جیؒ میلوں تک پیدل سفر کر کے ان لوگوں کے گھروں تک جایا کرتے تھے اور کبھی کسی کو انکار نہیں کیا تھا۔ ان کا دروازہ رات دن ہر آنے جانے والے کے لئے کھلا رہتا تھا۔ اور جس وقت بھی کوئی دستک دیتا۔ آمادۂ ملاقات رہتے اور نہایت خندہ پیشانی سے استقبال فرماتے تھے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خلقِ خدا کی خدمت و دلجوئی کی خاطر استاد جیؒ نے اپنا سکھ اور آرام تج دیا تھا۔ کئی لوگ در پردہ آپ سے مخاصمت بھی رکھتے تھے لیکن آپ کے چہرہ انور پر اتنا جلال ہوتا تھا کہ آپ کی برائی کرنے والے بھی سامنے آ جاتے تو جھک کر ملتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے کبھی بھی کسی شخص کے لئے بددعا کے کلمات نہیں سنے گئے بلکہ اپنے بدخواہوں کے لئے بھی دعا فرمایا کرتے تھے "اللہ رحم کرے"، "اللہ ہدایت" دے وغیرہ یہ جملے گویا ان کا تکیہ کلام تھے۔

بے شک حضرت شیخ محمودؒ زمین پر خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے آپ کے مریدانِ خاص آپ کی ولایت با برکات سے قسم قسم کی کرامات منسوب کرتے ہیں اور اس میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کہ آپ صاحب حال و قال تھے اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ علاوہ ازیں آپ از حد مستجاب الدعوات تھے جو دعائیہ الفاظ کسی کے لئے زبانِ مبارک سے ادا ہو جاتے ان کا اثر تیر بہدف ہوتا تھا۔

زندگی کو آپ نے ہمیشہ فانی اور عارضی سمجھا اور ہمہ وقت آخرت کی فکر میں غم و اندوہ کی تصویر بنے رہے۔ کسی نے بھی زندگی بھر آپ کو قہقہہ لگا کر یا کھل کر ہنستے نہیں دیکھا۔ آپ کے خطبوں میں عشقِ الٰہی اور تصوف کے موضوع غالب رہتے تھے۔ اندازِ بیان نہایت سادہ تھا لیکن تاثیر اتنی تھی کہ آپ کی تقریر سننے والے کو پہلو بدلنے کا ہوش تک نہیں رہتا تھا۔ آپ کے دروازے پر روزانہ سینکڑوں مریدانِ باصفا اور عقیدت مند حاضری دیتے تھے اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق جھولیاں بھر کر لیجاتے تھے۔

حضرت صاحب کے والد بزرگوار بھی اپنے دور کے کبار مشائخ میں سے تھے اور انہوں نے کئی پیدل حج کئے تھے۔ اسی طرح حضرت سنادجیؒ کی والدہ ماجدہ بھی بڑی عابدہ، زاہدہ خاتون تھیں۔ حضرت شیخ محمودؒ نے ایک خالص مذہبی اور صوفیانہ گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ آپ اگرچہ کوئی باقاعدہ سند یافتہ عالم دین نہ تھے لیکن انہیں شرعی علوم پر پوری دسترس حاصل تھی نیز اللہ تعالٰے نے آپ کو علم لدنی کی دولت سے مالامال فرمایا تھا۔ اور بڑے بڑے نازک دقیق شرعی

مسائل چٹکی بجانے میں حل فرما دیا کرتے تھے۔ البتہ آپ نزاعی اور اختلافی مسائل سے ہمیشہ پہلو تہی فرماتے تھے۔ تاکہ کسی بھی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے انسان کا دل نہ ٹوٹے۔

حضرت استاد جی کی قبر مبارک پر آج بھی ان کے توسط سے جو دعا مانگی جائے جلد قبول ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰے کی بے پناہ رحمتیں ہوں ان کی قبر انور پر

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شاہ عبدالرحمٰنؒ صاحب

حضرت شاہ عبدالرحمٰن صاحب کا مقبرہ مٹھہ خٹک میں ہے کہتے ہیں کہ آپ اس علاقے میں تین سو سال پہلے تشریف لائے تھے وہ ایک سید بزرگ تھے۔ ان کے مزار پر ہر سال چیت کی پہلی جمعرات کو میلہ لگتا ہے۔ ان کے مقبرہ کے قریب میٹھے پانی کا ایک چشمہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چشمہ ان کی دعا کے نتیجے میں ظاہر ہوا۔ اس چشمے کا پانی مختلف بیماریوں کے علاج کے لیے مشہور ہے لوگ دور دور سے آکر اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

شاہ نیکاؒ صاحب

شاہ نیکا صاحب کا مزار ملاخیل گاؤں سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر بر دتح رود کوہی کے کنارے واقع ہے وہ اس علاقے میں دو سو سال پہلے آباد ہوئے ان کے اخلاف آج بھی ملاخیل میں رہتے ہیں۔ مزار کے نواح میں نمکین پانی کا ایک چشمہ ہے کہتے ہیں کہ اس چشمے کا پانی انہیں کی دعا سے کھاری ہو گیا تھا۔ کیونکہ آپ وہاں کے لوگوں سے ناراض ہو گئے

تھے - اور انہیں سزا دینا چاہتے تھے - یہاں بھی ہر سال چیت میں میلہ لگتا ہے ۔

حافظ جی صاحبؒ

حافظ محمد عظیم صاحب ایک مشہور روحانی بزرگ تھے ان کا تعلق خوشاب سے تھا - وہ تقریباً دو صدیاں پہلے نمل کے علاقے میں آئے - کہتے ہیں کہ وہ بھمبیرانوالی مسجد کے حجرے میں مقیم ہوئے - ان کے وقتوں میں پینے کے پانی کی بڑی قلت تھی اور لوگوں کو جزوی یا مکمل خشک سالی کے دوران زبردست مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا - انہوں نے موجودہ نمل گاؤں سے شمال مشرق میں ایک مناسب جگہ پر ایک بہت بڑا تالاب کھودا جو اب بن حافظ جی کہلاتا ہے ۔ وہ رات کو عبادت میں مشغول رہتے اور دن کو تالاب کھودنے میں لگے رہتے وہ تالاب اب بھی موجود ہے ۔ انہیں "حافظ وٹے پٹ" بھی کہتے ہیں کیونکہ ڈھک درے میں سے گزرنے والے راستے کو وہ اکثر درست کرتے رہتے تھے - پاگل کتے کے کاٹے ہوئے لوگوں کو ان کے مزار پہ لایا جاتا ہے - اور وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں -

حضرت سلطان ذکریاؒ

حضرت سلطان ذکریاؒ اپنے والد ماجد میاں علی کے ساتھ سولہویں صدی عیسوی میں میانوالی میں آئے ۔ ان کے والد نے ہی میانوالی گاؤں کی بنیاد رکھی ۔ بچپن ہی سے ان سے کئی روحانی قوتوں کا اظہار ہونے لگا - ان سے کئی کرامات منسوب ہیں ۔ ان کا مزار میانوالی شہر کے مغربی جانب وتہ خیل کے پرانے قبرستان میں واقع ہے ان کے مقبرے کے قریب ہی ایک قدیم اسلامی فن تعمیر پہ مبنی خوبصورت مسجد ہے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ان کے کنوئیں کا پانی تبرک ہے ۔ اور کئی مرضوں کا علاج ہے ان کے اخلاف

میانوالی شہر میں آباد ہیں اور میانے کہلاتے ہیں۔

میاں ملوک صاحبؒ

آپ کی خانقاہ تحصیل عیسیٰ خیل میں کنڈل نامی گاؤں سے تقریباً دو میل جنوب میں واقع ہے کہتے ہیں کہ میاں ملوک صاحب اس علاقے میں تین سو سال پہلے آئے تھے۔ لوگ ان کی قبر پر عموماً جمعرات کو حاضری دیتے ہیں۔ ان کے مزار پر ہر سال چیت (مارچ) میں میلہ لگتا ہے، جس پر دور دراز سے لوگ آتے ہیں۔ مزار کا جنوبی دروازہ جو بہشتی دروازہ کہلاتا ہے سال میں ایک دفعہ صرف میلہ کے موقع پر کھولا جاتا ہے حصول برکت کے لئے لوگ اس میں سے گزرتے ہیں۔

پیر عادل صاحبؒ

آپ کا مقبرہ عیسیٰ خیل شہر میں واقع ہے۔ پیر عادل صاحب بڑے مشہور بزرگ (ولی) تھے وہ اکثر حالاتِ جذب میں رہتے تھے۔ ان سے سرزد ہونے والی کرامتوں کی مختلف کہانیاں اب تک زبان زدِ عام ہیں۔ وہ تقریباً دو سو سال پہلے فوت ہوئے۔ ان کے مزار پر بھی جمعرات کو لوگ آتے ہیں اور ہر سال چیت میں میلہ لگتا ہے۔

مخدوم حاجی صاحبؒ

حاجی صاحب ایک سید بزرگ تھے ان کا مقبرہ آج سے تقریباً دو سو سال پہلے موجودہ بلوخیل کے قریب تعمیر کیا گیا۔ وہ ایک صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اور ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اپنے معتقدوں کی پکار بہت جلد سنتے تھے یہی وجہ ہے کہ میانوالی کے لوگ انہیں "ستی دکان والا" کہتے ہیں یہ لقب ان کی زبردست روحانی قوتوں اور ان کے مزار پر جانے والی التجاؤں پر ان کے فوری جواب کو ظاہر کرتا ہے اور بھی کئی بزرگ

گزرے ہیں جن کے مزار مرجع خاص و عام ہیں ۔

حافظ جی عیسیٰ اکلو

حضرت حافظ جی عیسیٰ کا مزار پرانوار موسیٰ خیل کے جنوب مشرق ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے مزار کو جال (اپیلو) اور کرسی کے درختوں کے ایک جھنڈ نے اپنی آغوش میں لے رکھا ہے ۔ یہ جھنڈ اتنا گھنا ہے کہ سورج کی شعاعیں بھی مزار تک خال خال پہنچتی ہیں ۔ ان درختوں کی ٹہنیاں جھک کر کچھ یوں زمین بوس ہوگئی ہیں کہ زائرین کو مزار تک رسائی کے لیے انہیں ہٹا ہٹا کر راستہ بنانا پڑتا ہے ۔ چنانچہ زائرین جھک کر مزار تک پہنچ پاتے ہیں ۔ یوں لگتا ہے کہ اس حافظ بے دل اور اپنے دور کے نہایت نیک اور متقی شخص کی عظمت کو خدا نے اس طریقہ سے دنیا میں برقرار رکھا ہوا ہے کہ جو بھی ان کے دربارِ عالی میں حاضر ہو جھک کر احترام سے آئے اور سر جھکا کر بیٹھے ۔

حافظ جی عیسیٰ کا تعلق کلو قبیلے سے ہے وہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں موضع موچھ سے نقل مکانی کر کے موسیٰ خیل میں آئے ۔ یہاں کی باہی قوم کے اکابرین نے جو خود یہاں کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے تھے ۔ حافظ جی عیسیٰ کلو کو ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ باہی قوم نے انہیں کافی اراضی گزارہ کے لئے دے دی ، حافظ جی عیسیٰ کلو تمام زندگی موسیٰ خیل ، سلطان خیل اور بوری خیل کے بچوں کو درس کلام پاک دیتے رہے ۔ اور ان کے شاگردوں میں سینکڑوں حفاظ پیدا ہوئے ۔ جنہوں نے اس صدقۂ جاریہ کو آج تک جاری وساری رکھا ہوا ہے اور شمع سے شمع جل رہی ہے ۔

حافظ جی عیسیٰ کثیر العیال تھے اور انہیں اللہ تعالے نے دس بیٹے عنایت فرمائے

تھے۔ جن میں سے سات بیٹے حافظ قرآن تھے جن کے نام حافظ یار محمدؒ، حافظ محمدؒ، حافظ احمد حافظ رشید، حافظ عبدالرحمٰن، حافظ عبدالکریم اور حافظ عبدالرزاق تھے، جبکہ باقی تین بیٹوں کے نام ابراہیم، عبدالرحیم اور میاں عبدالحکیم تھے۔ ان میں سے ابراہیم عہد طفلی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ جبکہ عبدالرحیم اور میاں عبدالحکیم کے متعلق بھی اغلب ہے کہ یہ لوگ بھی حافظ قرآن تھے۔

حافظ جی عیسیٰؒ کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بزرگ فنافی القرآن تھے اور ان کی زبان مبارک سے تلاوت قرآن پاک سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے جاری رہتی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں نور باطن سے نوازا تھا۔ اور ان کا شمار اپنے وقت کے کبارِ اولیاء ومشائخ میں ہوتا تھا۔ آپ سے کوئی سلسلۂ خلافت نہیں چلا کیونکہ آپ کو پیری مریدی کا زیادہ شوق نہیں تھا۔ آپ ایسے سراپا عمل بزرگ تھے، جن کا دن شاگردوں کو قرآن کا درس دیتے ہوئے گزر جاتا۔ اور راتیں یادِ الٰہی میں صرف ہوتی تھیں۔

آپ ازحد مسکین الطبع، حلیم اور بردبار شخص تھے۔ دنیا داری سے محض برائے نام سا علاقہ رکھتے تھے۔ شب بیدار اور تہجد گزاری ان کا شعار بن چکا تھا۔ اب بھی ان کے کئی عقیدت مند موجود ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ کئی بار حافظ جی عیسیٰؒ کی قبر مبارک سے تلاوتِ کلام پاک کی آواز سنائی دیتی ہے۔

روایت ہے کہ حافظ جی عیسیٰؒ کے مزار مبارک پر ختم کلام پاک کر کے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کے بعد جو بھی دنیاوی یا دینی دعا مانگی جائے وہ فوراً بارگاہ الٰہی میں قبول ہوتی ہے۔

ان کا مزار شریف موسے خیل، بوری خیل اور نواحی بستیوں اور آبادیوں کے لئے مرجعِ خاص و عام ہے۔

حافظ یار محمدؒ بن حافظ جی عیسےؒ کو بوری خیل قبیلہ تبرک کے طور پر اپنے پاس لے گیا تھا۔ جہاں اب بھی اس کی اولاد موجود ہے۔ آپ کے دو بیٹوں یعنی عبدالحکیم اور عبدالرحیم نے موسے خیل میں سکونت اختیار کر لی جہاں ان کی اولادوں کا سلسلہ چل رہا ہے۔ جہاں تک حافظ جیؒ کے باقی بیٹوں کا تعلق ہے۔ وہ یا تو لاولد رہے اور یا عہد طفلی میں ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان کی نسل آگے نہ چل سکی۔

سُلطان العارفین حضرت نُوری شاہ نانگ سُلطان رح

موسے خیل گاؤں کے مشرق میں ایک پرانے قبرستان کے دامن میں ریت کے بلند ٹیلے پر ایک قدیمی مزار واقع ہے جو سلطان العارفین حضرت نوری شاہ نانگ سلطان رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مرقد عام انسانی قد کاٹھ سے بہت زیادہ لمبا ہے۔

حضرت نانگ سلطانؒ کی زندگی کے حالات تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہیں ان کی اولاد کا بھی کوئی سلسلہ موجود نہیں ہے۔ جس سے ان کا خاندانی روایات یا ان کی ذات کے متعلق معلومات حاصل کی جا سکیں۔ بہر حال صاحبِ مرقد کی ذات کے متعلق دو مختلف روایات موجود ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ پرانے وقتوں میں ہاسی خاندان کے کسی بزرگ کو خواب میں اس قبر کی نشاندہی کی گئی اور جب وہ بزرگ خواب سے بیدار ہو کر اس ٹبہ والی جگہ پر پہنچے تو قبر کے سر اور پاؤں کی جانب دو عدد نشان لگے ہوئے تھے۔ ہاسی بزرگ نے ان نشانات کے درمیان قبر بنا دی۔

دوسری روایت موضع موچھ کے سجادہ نشین اور معروف پیر حضرت عبداللہ شاہؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت نانگ سلطانؒ نے ساری زندگی جنگلوں اور بیابانوں میں یادِ الٰہی میں صرف کی اور مجرد زندگی گزاری۔ ان کے اجداد میں سے ایک شخص نے جو حضرت نانگ سلطانؒ کا مرید خاص تھا۔ اپنی تمام زندگی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں صرف کی۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت نانگ سلطان نے ان کے بزرگ کو دعا دی اور فرمایا کہ انشاء اللہ تمہاری اولاد میں سے سات پشتوں تک اولیائے کرام پیدا ہونگے۔

ان روایات کی صحت اور عدم صحت پر بحث کرنا خاصا مشکل ہے۔ بہر صورت یہ حقیقت ہے کہ مزار شریف مرجع خاص و عام ہے۔ اور میانوالی و نواح کے مشائخ اور اپنے اپنے دور کے اولیائے کبار اس مرقد منور پر حاضری دیتے رہے ہیں اور یہاں سے بے پناہ فیوض و برکات حاصل کرتے رہے ہیں۔

ایک روایت جو یہاں کے لوگوں میں نہایت عام ہے وہ یہ ہے کہ اس مزار پر ایک شیر سلام کے لئے آیا کرتا تھا۔ مزار شریف کے خادم باہی قبیلے کے چشم و چراغ حضرت حاجی مرتضیٰ ہیں جو نہایت عابد و زاہد بزرگ ہیں ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے جاگتی آنکھوں سے حضرت نانگ سلطان کا دیدار کیا ہے اور کشف و کرامات کی کئی روایات بیان کرتے ہیں۔ حضرت بزرگوار مرتضیٰ نہایت صادق و عابد شخص ہیں اس لئے ان کی باتیں بھی یقیناً درست ہونگی اور صدق و صفا پر مبنی ہوں گی۔

علاوہ موجودہ صدی کے ایک بہت بڑے زاہد و متقی جو موسیٰ خیل کے رشد و ہدایت کے چراغ تھے یعنی حضرت شیخ محمود باہیؒ جب سلوک کی منازل طے کر رہے تھے۔

تو تواتر کے ساتھ حضرت نانگ سلطان کے مزارِ مقدس پہ حاضری دیا کرتے تھے بلکہ عرصۂ دراز تک نمازِ تہجد وہیں پڑھا کرتے تھے۔ نانگ سلطان کے بارے حضرت شیخ محمود نے اپنے مریدانِ خاص کی ایک محفل میں ایک عجیب بات کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ کہ جب بھی تہجد کے وقت طہارت کے لیئے پانی کا لوٹا لیئے حضرت نانگ سلطان کے مزار سے ملحقہ مسجد کے طہارت خانے میں داخل ہوتا تھا تو وہاں سے ایک سانپ نکلتا تھا جو چلتے چلتے حضرت نانگ سلطانؒ کے قدموں والی جگہ پہ جا کر غائب ہو جاتا تھا۔ ہم اس بارے کچھ کہنے سے قاصر ہیں کیونکہ اس سانپ کی حقیقت تو اہلِ تصوف اور ماہرینِ طریقت ہی جان سکتے ہیں۔ یہ مزار عرصہ دراز سے موسئے خیل اور نواحی بستیوں کی عقیدتوں کا مرکز رہا ہے۔ اور آج بھی لوگ بڑی عقیدت سے یہاں منتیں ماننے اور چڑھاوے چڑھانے آتے ہیں۔

حضرت نانگ سلطان کے مجاور حضرت حاجی مرتضٰی بابی اگرچہ ناخواندہ شخص ہیں لیکن اس کے باوجود نہایت متقی اور نورِ باطن والے بزرگ ہیں۔

حضرت عادل شاہ مجذوبؒ

حضرت عادل شاہؒ کا وصال مبارک بھی چند سال پیشتر ہوا ہے وہ ہمہ وقت جذب کیف اور مستی میں غرق رہتے تھے اور مکمل طور پہ تارک الدنیا تھے۔ آپ کی کافی اراضی تھی اور مریدوں کی جانب سے بھی کافی مالی مدد ملتی تھی۔ لیکن آپ نے کبھی دنیاداری کی طرف دھیان نہ دیا۔ حضرت مست مجذوب اور قلندر انسان تھے۔ آپ نے تمام زندگی اس جائیداد سے مالی فائدہ نہ اٹھایا۔ اور زمینوں کے حاصل سے کنارہ کش رہے۔

آپ کے مرید آپ کی ذات سے کشف و کرامت کی کئی روایات منسوب کرتے ہیں۔ بعض اوقات کیف و مستی کے عالم میں کئی معرفت کی باتیں فرما جاتے تھے۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر ہر وقت مریدوں کا ہجوم رہتا تھا۔ زندگی کے آخری ایام اس مجذوب خدا مست نے بوری خیل میں گزارے تھے۔ بوری خیل کے لوگ ان کے فدائی اور شیدائی ہیں۔

حضرت عادل شاہؒ کے ایک مشہور مرید میجر ریٹائرڈ رفیع اللہ خان شیر مان خیل نے حضرت کا خوبصورت روضہ بنوایا ہے۔ جہاں پر سالانہ عرس ہوتا ہے۔ جس میں ان کے مرید دور دراز کے علاقوں سے آکر شریک ہوتے ہیں۔

حضرت میاں اللہ یار میانہ رح

ماضی کے ولی کامل حضرت میاں اللہ یارؒ بوری خیل قبیلے کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ آپ بھی اپنے وقت کے ولی کامل بزرگ تھے۔ بوری خیل کے لوگ حضرت میاں اللہ یار سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ آپ اپنے بے پناہ زہد و تقویٰ کی بنا پر اس عقیدت کے مستحق تھے۔ آپ نہایت مستجاب الدعوات بھی تھے۔ اور جو دعائیہ کلمات کسی کے حق میں زبان مبارک سے نکل جاتے تھے فوراً قبولیت کا درجہ اختیار کر لیتے تھے۔ حضرت میاں اللہ یارؒ نے رشد و ہدایت کی جو شمعیں جلائی تھیں ان کے خاندان نے اسے بعد میں بھی روشن رکھا۔ حضرت گل محمد شہید بھی اسی خانوادہ کے گل سرسبد تھے۔ جنہیں بوری خیل کے ایک نیم پاگل شخص نے بلا وجہ شہید کر دیا تھا۔

حضرت میاں اللہ یار اور حضرت گل محمد شہید رحمتہ کے مزارات بوری خیل گاؤں

ہیں مرجعِ خاص و عام ہیں۔

حضرت میاں نصیر شاہ خواجہ آباد شریف

خواجہ آباد کا نام زبان پر آتے ہی حضرت نصیر شاہؒ کی ذات بابرکات کا تصوّر ذہن میں گھوم جاتا ہے۔ آپ کا تعلق حضرت دوست محمدؒ شاہ کے خانوادہ سے ہے۔ حضرت نصیر شاہؒ جو نسباً خالص سید تھے۔ اور اپنے دور کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ ان کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اور ان کی اولادوں نے ان کے فیوض و برکات کو آج تک جاری و ساری رکھا ہوا ہے۔ حضرت نصیر شاہ صاحب جہاں عالم بے بدل تھے۔ وہاں میدان طریقت و تصوف میں بھی فنا فی اللہ کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی ذات سے بے شمار کشف و کرامات وابستہ کی جاتی ہیں۔ حضرت نصیر شاہؒ کے کئی مشہور خلفاء بھی گزرے ہیں، جن کا شمار اپنے دور کے مشہور صوفی بزرگوں میں ہوتا تھا۔ موسیٰ خیل کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ عثمان بابا انہیں کے خلیفہ تھے۔ موجودہ دور میں خواجہ آباد میں سجادہ نشین حضرت خواجہ نصیر شاہؒ کے فرزند ارجمند حضرت کمال دین صاحب ہیں آپ کا مزار خواجہ آباد شریف میں مرجع خاص و عام ہے۔ آپ عہد جوانی میں مشہور پہلوان تھے اور بڑے بڑے پہلوانوں کو پلک جھپکنے میں چت کر جاتے تھے۔

حضرت میاں غلام محمدؒ کوچھہ شریف عرف بابا جی

حضرت میاں غلام محمدؒ صاحب اپنے دور کے مشہور صوفی بزرگ تھے

آپ آسمان ولایت کے تابندہ ستارے تھے۔ اور صفات الہٰی کے مظہر، نہایت مستجاب الدعوات اور صاحب کشف وکرامات تھے۔ آپ کو درگاہِ رب العزت سے علم لدُنی کی دولت وافر مقدار میں ملی تھی۔ آپ کا مزار رکھی کے شمال میں پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ آپ کے تین بیٹے ہیں جن کے نام میاں گل ماہی میاں غلام دستگیر اور غلام نبی ہیں۔ میاں گل ماہی سجادہ نشین ہیں جنہوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے اور دکھی انسانیت کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں اٹھا رہا۔

حضرت فتح محمدؒ صاحب بھور شریف

حضرت فتح محمدؒ بھور شریف والے اپنے دور کے بہت جلال والے بزرگ تھے بہت جید عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا مزار شریف بھور شریف میں مرجعِ خاص وعام ہے۔ آپ آسمانِ ولایت کے درخشندہ ستارے تھے اور ایک ہی نگاہ میں دلوں کی دنیا بدل ڈالتے تھے مریدوں کو راہ سلوک کی صدیوں کی مسافت لمحوں میں طے کرا دیتے تھے۔ عشقِ الہٰی و عشقِ رسولؐ میں فنا تھے۔ ہزاروں مرید آتے اور دامن مراد سے جھولیاں بھر کر لوٹتے تھے حضرت فتح محمدؒ کے دو صاحبزادے ہوئے جن کے نام حضرت میاں محمد صاحب اور حضرت میاں محمد صدیق صاحب ہیں۔ ان کی اولاد میں حضرت میاں محمدؒ صاحب کے صاحبزادے کا نام حضرت میاں عبداللطیف صاحب ہے۔ جبکہ حضرت میاں محمد صدیق صاحب کے دو صاحبزادوں کے نام حضرت میاں غلام محمدؒ اور حضرت میاں خیر محمدؒ ہیں جنہوں نے اپنے جدامجد کی روشن کی ہوئی شمع رشد و ہدایت تا حال جلائی ہوئی ہے

اور اپنے والد بزرگوار کے فیوض و برکات کو عوام و خواص میں جاری و ساری رکھا ہوا ہے۔

حضرت یحییٰ شہید باہی (نیازی) رح

حضرت شیخ یحییٰ شہیدؒ حضرت باہی بن نیازیؒ کے فرزند ارجمند تھے آپ کا شمار اپنے دور کے کبار مشائخ میں ہوتا تھا۔ آپ ولی ابن ولی تھے آپ کے والد بزرگوار جناب باہی بھی اپنے دور کے قطب الاقطاب تھے۔ جنہوں نے تمام زندگی یادِ الٰہی میں بسر کی تھی اور دنیاوی معاملات سے معمولی سا تعلق بھی نہ رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ باہی عارف کامل تھے اور انہیں محبوب الٰہی کا درجہ حاصل تھا۔ اپنے مریدوں اور راہ سلوک پر چلنے والوں کو فقط ایک نگاہ میں سلوک و تصوف کے بلند ترین مناصب پر پہنچا دیتے تھے۔ آپ نہایت حلیم الطبع اور مشفق انسان تھے جن کے منہ سے اپنے پرائے سب کے لئے ہمیشہ دعا نکلتی تھی۔

آپ ہر وقت جذب و کیف کی کیفیت طاری رہتی تھی اور شب و روز ذکر و فکر میں گزارتے تھے۔ آپ کا مزار شریف (وزیرستان) میں آج بھی مرجع خاص و عام ہے جہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہے اور ہر آنے والا حضرت یحییٰ شہید کے فیوض و برکات سے اپنے اپنے مشرب کے مطابق جھولیاں بھر کر لے جاتا ہے۔
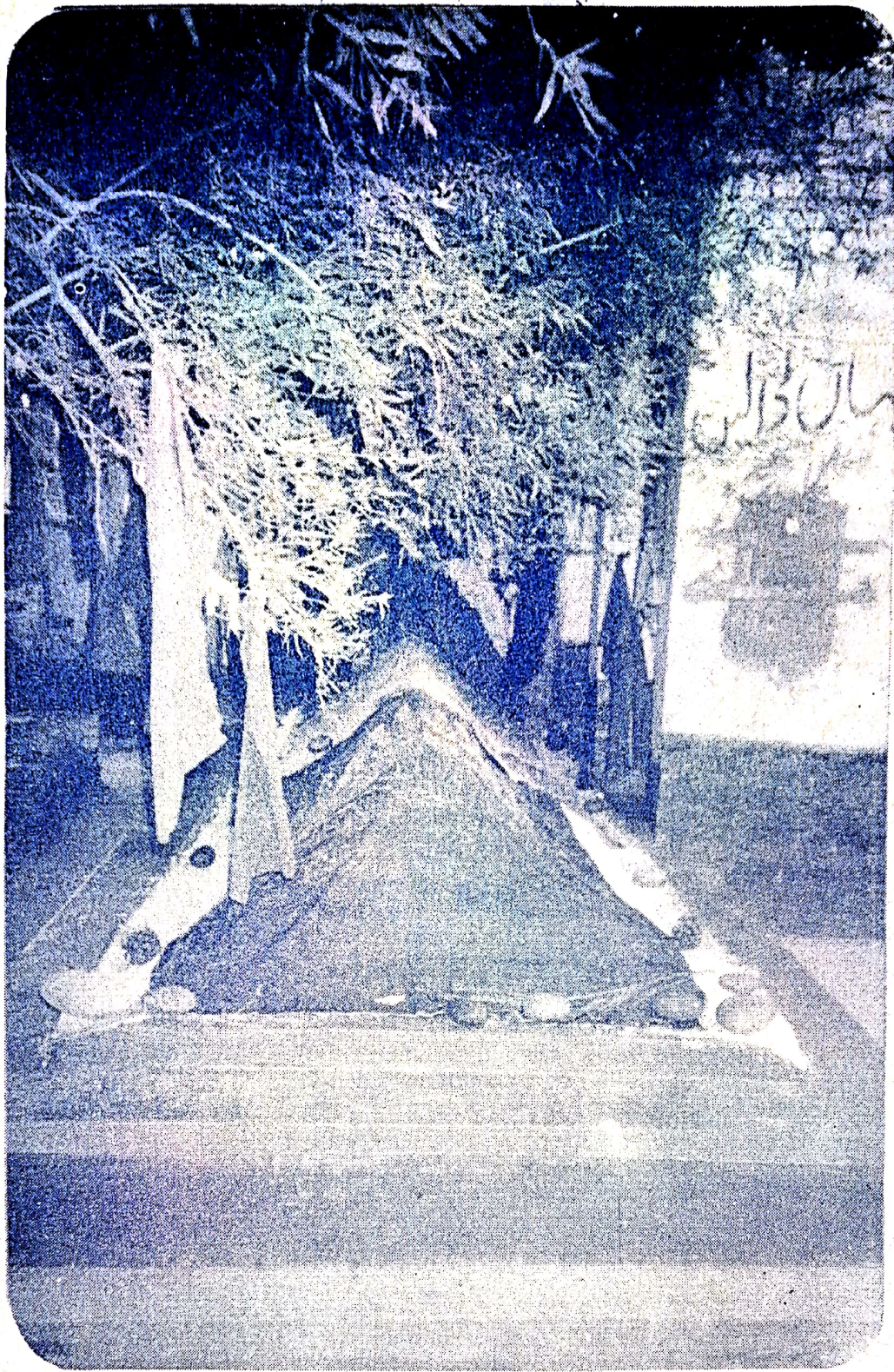
مزار شریف حضرت نوری شاہ نانگ سلطانؒ موسیٰ خیل
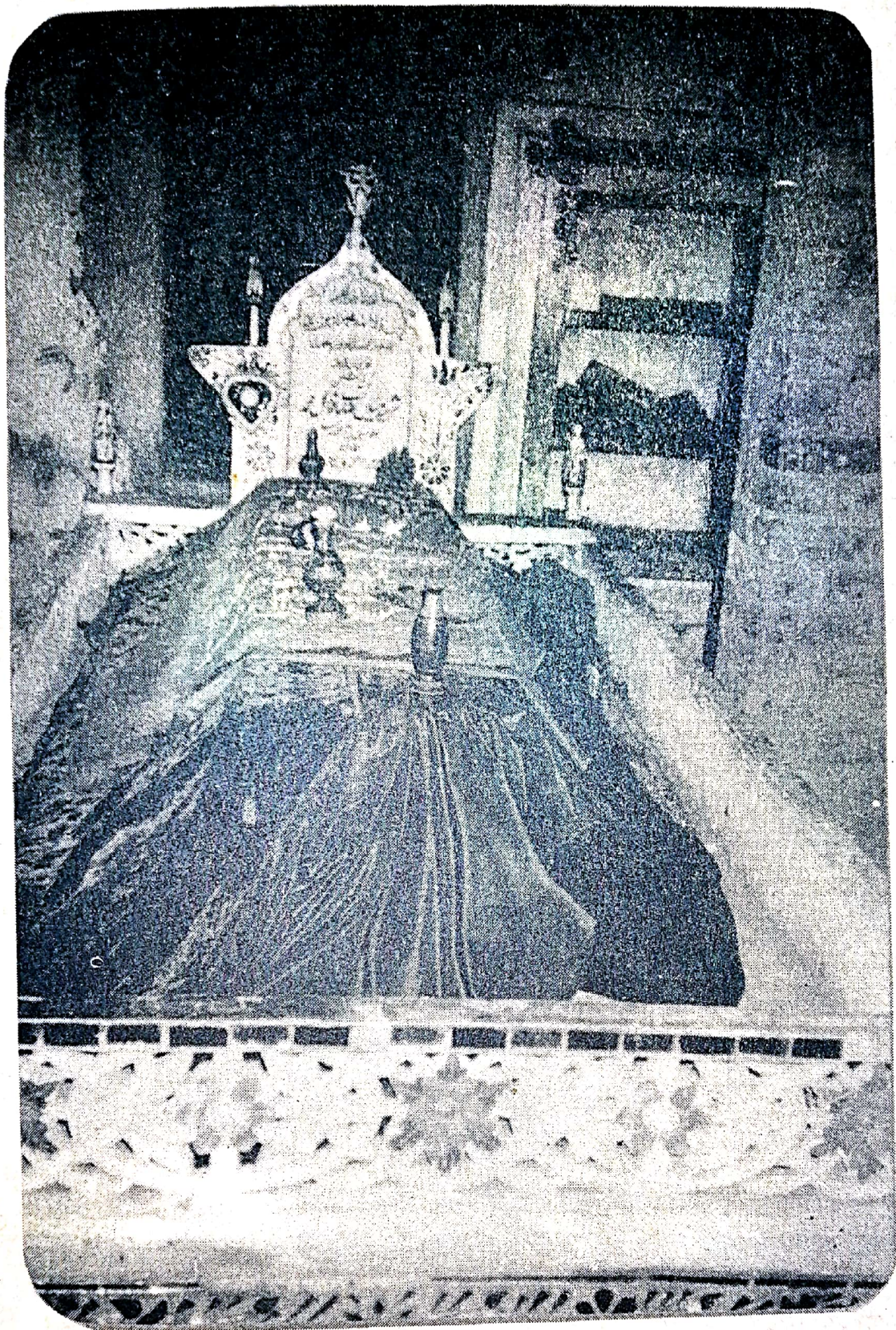
مزار شریف میاں گل محمد شہید بوری خیل

مسجد ملحقہ مزار شریف حضرت بابا شیخ توربا ہی رح

مختلف نیازی قبائل کا شجرہ نسب

باہی قبیلے کا شجرہ

بقیہ باب ۱۴
بقیہ ہاشمی قبیلے کا شجرہ نسب
اسماعیل کا بیٹا نمبر ۴
شہاب کا بیٹا امیر
محمد عظیم
حبیب
صاحب خان
محمد سعید
مقبول احمد
فاروق احمد
عبدالرزاق
کوثر
سمیع اللہ
امیر
خلیل
شہاب الدین
شیخ مرزا
اسماعیل
میاں رسول
فضل احمد
حسن
شیخ حسین
محمد صدیق
شیخ معصوم
شیخ معصوم
فضل احمد
محمد عبداللہ
غلام یٰسین
محمد عارف
محمد عصمت اللہ
عبدالرشید
عبدالمجید
عبدالعزیز
خواجہ کا بیٹا نمبر
رشید
جلال الدین
علی
خدایار
شیرا
عمر
کمال
سلطان
خلیل
میاں خالد
اسمعیل
میاں شیرا
سعد اللہ
علی خان
میاں حسین
عالم خان
خلیل
رمضان
ابراہیم
محمد خان
نور خان
شیر خان
احمد خان
سعد اللہ
علی خان
محمد نواز
مہر خان
محمد صدیق
نور خان
فتح خان
آدم خان
عبدالرؤف
عالم خان
انعام اللہ
سمیع اللہ
نور ہاشم
غلام سرور
محمد خلیل
دین محمد
گل محمد
رمضان
محمد اقبال خان
شیرا کا بیٹا نمبر ۱
شیخ موسیٰ
شیخ بلند
میاں محبوب
میاں یعقوب
شیر
محبوب
غلام فرید
غلام نصیر
لیاقت
محمد علی
کرمداد
سلطان
مصطفیٰ
غلام جیلانی
یعقوب
محمد ایوب
غلام محمد
نور محمد
فیض محمد
محمد عبداللہ
محمد اسلم
محمد رمضان
عبدالرؤف
عبدالستار
عبدالغفار
مہر خان
محمد ایوب
شیخ موسیٰ
اسماعیل
سید
سلطان
رمضان
زمان
غلام رسول
محمد یوسف
حبیب خان
احمد نواز
اقبال یوسف
غازی خان
محمد رمضان
خالد خان
محمد رمضان
محمد امیر خان
عبدالرحمن
عبدالحمید
عبدالستار
دین محمد
عبدالرحیم
محمد خالد
محمد یعقوب
محمد اقبال
شیر علی
گل محمد
مصطفیٰ
محمد یعقوب
عبدالعزیز
محمد اقبال
اصغر علی
محمد رفیق
محمد اقبال
عبدالکریم
عالم حسین
محمد بلال
غلام حسین
میاں عیسیٰ
غلام حسین
محمد امیر خان
میاں حسن
یعقوب
عبدالکریم
عبدالحمید
عبدالحفیظ
عبدالرشید
ظفر اقبال
محمد نواز
یعقوب علی
مردان علی
حسین علی
لطف علی
دین محمد
صدر دین
ذاکر علی

بھائی خان بن عبدالکریم باہی بن نیازی

خضر | شیخ احمد

ہزاری | شیخ طوبر

مجھو | پائندہ | شیخ مرزا

محمد شاہ | یعقوب

سلطان | میاں سعد | حبیب

مدت | ابراہیم | ابراہیم

علی | نواز | میاں شبیر | اسماعیل

اکبر | الیاس | میاں کلاء | میاں ذلہ | احمد

میراخاں | میاں رسول | ابراہیم | حسین | محمد | افضل

میاں رمضان | میاں دین | شیرا | مسماۃ ہزارے

دوست محمد | شیخ موسیٰ | سردار | سعداللہ | دوست محمد | علی خان | شیخ ابراہیم | احمد گل | محمد

فتح محمد | غلام یٰسین | اشرف علی | غلام رسول | بدر دین

شیر خان | فیض اللہ | عزیز اللہ | محمد خان | احمد گل | محمد

نظام دین | علم دین | سراج دین | غلام محمد | عمر حیات | محمد نواز | محمد اسحاق | بدر دین | محمد عظیم

غلام رسول | غلام محمد | علی محمد | غلام محمد | قمر دین | علم دین | محمد خان | میر افضل

نور محمد | شیر گل | رفیق | مختار | شفیق | صدیق

شیخ معصوم | عبدالرحیم | مشتاق | نذیر احمد | بشیر احمد | اعجاز احمد | سعید احمد | اشفاق

احمد نواز | محمد رمضان | محمد مختار خان | محمد اقبال خان | ظفر اقبال خان

غلام رسول | غلام محمد | امداد اللہ | عنایت اللہ | ثناء اللہ | گل شیر

محمد کفایت اللہ | محمد ذکاء اللہ | محمد مطیع اللہ

محمد ایوب | میرا خان | محمد یعقوب | غلام سرور | محمد رمضان | نور محمد

خالد | محمد صدیق | نذیر احمد | بشیر احمد

● علی کا بیٹا اکبر

سلطان

نور الٰہی | مہر الٰہی | غلام

محمد خالد خان

● نواز کا بیٹا الیاس

نعمت | سرور

شیرگل کے بیٹے
نمبر۲
راجبیر
عالم خان
گل خان
جہان خان
احمد خان
نور خان
فتح خان
علی خان
لعل خان
شیرگل
باز گل
مہر خان
شیر خان
عظیم خان
دوست محمد
نور خان
جہانگیر خان
نور خان
مہر خان
شیر خان
غلام خان
محمد نواز
احمد خان
مہمان خان
شاہجہان
بہادر خان
عبداللہ خان
رب نواز خان
محمد اکبر خان
فتح خان
خانزمان
غازی خان
پائندہ خان
محمد خان
احمد خان
سمندر خان
نور خان
غلام سرور خان
غلام رسول خان
محمد نواز خان
اللہ داد
گل خان
حق نواز
مظفر خان
کریم داد
خان بہادر
محمد خان
شاہجہان
ربنواز
عطاء اللہ
ایوب خان
یاس خان
محمد خان
احمد خان
یوسف خان
ادم خان
عبید
خان بیگ
بہادر خان
سردار خان
عمر خان
عیب خان
امیر خان
جہانگیر خان
عالم خان
محمد خان
شیر علی
مواز خان
بہادر
محمد خان
آدم خان
مقرب خان
اسماعیل خان
شاہجہان
نور خان
احمد نواز
حق نواز
محمد خان
یاکی خان
فتح خان
نور محمد
علی خان
نواب خان
عباس
بہادر خان
احمد خان
ربنواز
سردار
عمر حیات
محمد امیر
نواب سعداللہ
محمد عظیم
سردار
محمد خالق
شفاء اللہ
ضیاء اللہ
عمر حیات
عزیز اللہ
اسران خان
مہر خان
یوسف خان
ممتاز خان
محمد اقبال
احمد خان
ربنواز کا بیٹا عباس زوجہ نمبر۱ زوجہ نمبر۲
امیر خان
اکبر خان
احمد خان
محمد خان
سیف اللہ
حبیب اللہ
اماں
محمد اقبال
غلام قادر
غلام عباس
نواز علی
جہانگیر
بہادر
شاہجہان
سعداللہ
شیر خان
امیر خان
سردار
محمد خان
ربنواز
امیر عبداللہ
احمد خان
عباس
برکت علی
فتح خان
سعداللہ
شیر خان
شاہجہان
اکرام اللہ
رفیق حسین
ظفر اللہ
اختر خان
سمندر خان
محمد نواز
شیر زمان
عطاء اللہ
فیض اللہ
محمد امیر خان
محمد اقبال خان
ظفر اقبال
اشفاق خان
آصف محمود
نجیب اللہ

موسےٰ خیل کے باہی قبیلے کا شجرہ نسب

موسیٰ خیل کے باہی قبیلے کا شجرہ

بوری خیل قبیلے کا شجرہ نسب

بوری خیل کے باہی قبیلے کا شجرہ

بقیہ بوری خیل قبیلے کا شجرہ نسب
اشرف بن شاہجہان بن چہار بن خان بن بوری خان
دلاسیل
ظریف خان
گل بیگ خان
عطائی خان
محمد خان
سکندر خان
مظفر خان
محمد خان
محمد شاہ
سعید اللہ خان
احمد خان
غفار خان
آدم خان
عباس خان
گل خان
عالم خان
صاحب خان
گل بیگ خان
خان
عزت خان
محبت خان
امیر عبداللہ
خان بیگ خان
اشرف خان
آدم خان
مظفر خان
سید امیر
مہر خان
ظریف خان
امیر خان
شاہجہان خان
احمد خان
شاہجہان
شیر سکند
عالم خان
حبیب اللہ
اشرف
عبداللہ خان
گل خان
مرتضٰے خان
غفور خان
باہی قبیلے کا شجرہ نسب
خان
ولد باہی ولد نیازی
شیخ طور
عبدالکریم
شیخ شریف
شیخ عیسے
فتح خان
ولیداد
مہرداد
فتح محمد
محمد
نور محمد
ولیداد
مولاداد
مہرداد
محمد رمضان
خالقداد
اللہ داد
رحیم داد
زید محمد خان
جنید محمد خان
غلام رسول
محمد امیر خان
النور خان
محمد اسحٰق
محمد عظیم
جلال الدین
مہرداد
مولاداد
کرم داد
محمد رمضان
محمد اسماعیل
اللہ دین
محمد دین
مہر دین
محمد اسلم
محمد اکرم

موسیٰ خیل کی ذیلی شاخ خلاص خیل (مقرب خیل) کا شجرۂ نسب۔
مقرب خان بن سمند خان بن خلاص
محمد خان
غازی خان
عظیم خان
فتح خان
سلطان
ایوب
علی خان
بہادر خان
امیر خان
اکبر خان
مہر خان
محمد خان
ربنواز خان
خان بیگ
ظریف
سہراب خان
پائندہ خان
فتح خان
محمد عظیم خان
حق نواز خان
عباس خان
مہر خان
فیض اللہ
خان زمان
مقرب
سعداللہ
ربنواز
حق نواز
ربنواز
شبیر خان
حاجی خان
سردار خان
عطا محمد
محمد حیات
محمد یوسف
محمد نواز
محمد امیر
خانسیر خان
غلام عباس
خلاص
محمد خان
ربنواز
محمد نواز
سکندر
نواب
محمد نواز
یار محمد
ربنواز
ولایت
یعقوب
احمد خان
عبدالکریم
اختر کریم
فتح خان
محمد خان
عبدالرحمٰن
محمد نواز
غلام جیلانی
خضر خان
حقداد
اللہ داد
جہان خان
نادر خان
خالد
علی اکبر
تاج محمد
عطا محمد
احمد نواز
شبیر احمد
فلکشیر خان
افضل خان
نواب
محمد اقبال
دوست محمد
خالد خان
محمد اکبر خان
نور محمد خان
باہی قبیلے کا شجرہ نسب
عمر
بن عبدالکریم بن باہی بن نیازی بن ابراہیم بن شاہ حسین
علی خان
اودین
سلیمان
حسن
محمود
غلام رسول
حسین
احمد
خالقداد
صدیق
اودین
حسین
شیر
عبداللہ
نور محمد
احمد دین
نور محمد
محمد
رمضان
عمر
دلیداد
کرمداد
فتح حسین
امیر حسین
حبیب
فتح محمد
میاں محمد
محمد حسین
رمضان
محمد صدیق
میاں محمد
میاں عمر
بشیر حسین خان
عظمت اللہ خان
سیف اللہ خان
نعمت اللہ
حبیب اللہ
ضیاء اللہ
محمد اقبال خان
اکرام اللہ
عبدالستار
محمد ممتاز
محمد رمضان
شفاء اللہ
رحمت اللہ
عبدالرحمٰن
حبیب الرحمٰن
ضیاء اللہ

موسے خیل کی ذیلی شاخ

خلاص خیل (نورخان خیل) کا شجرہ نسب
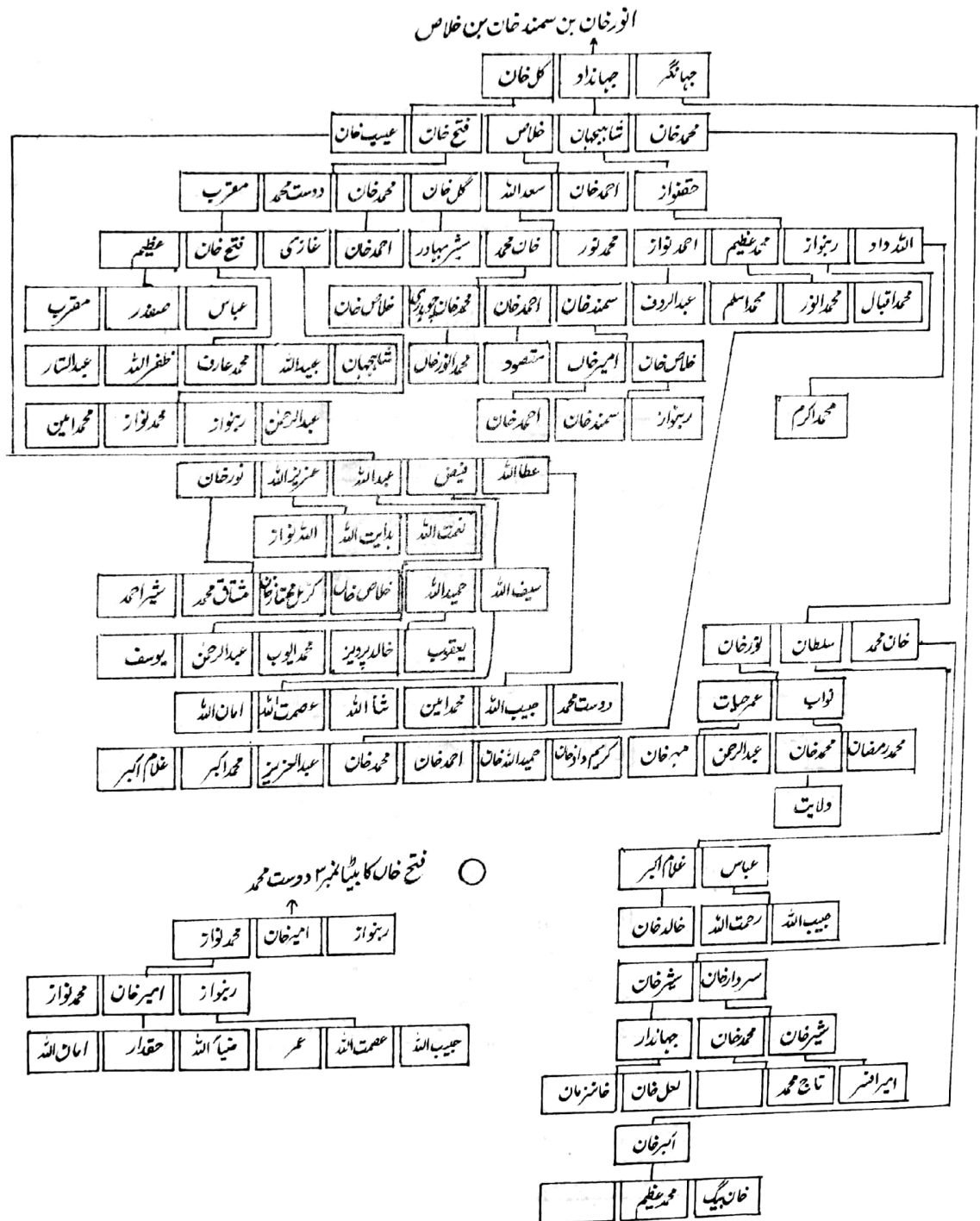
موسےاخیل کی ذیلی شاخ خلاص خیل (جھانڈی) کا شجرہ نسب

عمر خان بن سمند خان بن خلاص

انور خاں | اغوزر | موہانہ

عالم خان | شیر خان | نور خان | مہر خان | فتح خان | مقرب خان

دوست محمد خان

ہاتھی خان | بلند خان | عمر خان

عالم خاں | احمد خان | محمد خان | عبدالرحمٰن | شیر خان | اکبر خان

سیف اللہ | عبداللہ | حبیب اللہ | عصمت اللہ | رحمت اللہ | اصغر خان | صفدر خان

مسکین اللہ | اطہر خان | انور خان | ستار خان | غفار خان | عبدالرحمٰن

احمد خان

دوست محمد خان | خلاص خان | فیض محمد خان | غوث محمد خان | سمند خان | امیر قلم خان | مقرب خان

احمد خان

یار محمد | امیر عمر | انور خان | حشمت اللہ خان

مظفر خان | محمد خان | خانمیر خان | سعد اللہ

سردار خان | عباس خان | رہنواز | حقنواز | عمر حیات | محمد خان | احمد خان

خان محمد | خلاص خان

عالم شیر خان

شیر خان | جہانگیر خان | خان محمد خان | عمر خان | امیر خان | خان زمان | راجمیر خان | دلیل خان

عالم شیر | غلام عباس | مہر خان | محمد خان | عبداللہ خان | غلام حسن | احمد خان | نور خان

نور محمد | ظہور احمد | فیض محمد | غلام حسین خان | مہر اقبال | محمد امیر خان | دلی محمد خان

عبدالرؤف | عبدالحمید | عبدالکریم | عبدالمجید

ممتاز خان | آفتاب خان

حقداد خان | رہنواز | کمند خان

سمند خان | غلام محمد | اکبر خان | دلیل خان | خانمیر خان | ولایت محمد خان | عبدالرحمٰن | عبدالستار | مظفر خان | عبدالغفار

محمد عظیم | محمد نواز خان | محمد عالم خان

دوست محمد | یار محمد | امیر مسلم خان

خان محمد خان | عطا محمد خان | سیف اللہ خان | حمید اللہ

Scanned by CamScanner

موسیٰ خیل کی ذیلی شاخ رحمی خیل کا شجرۂ نسب
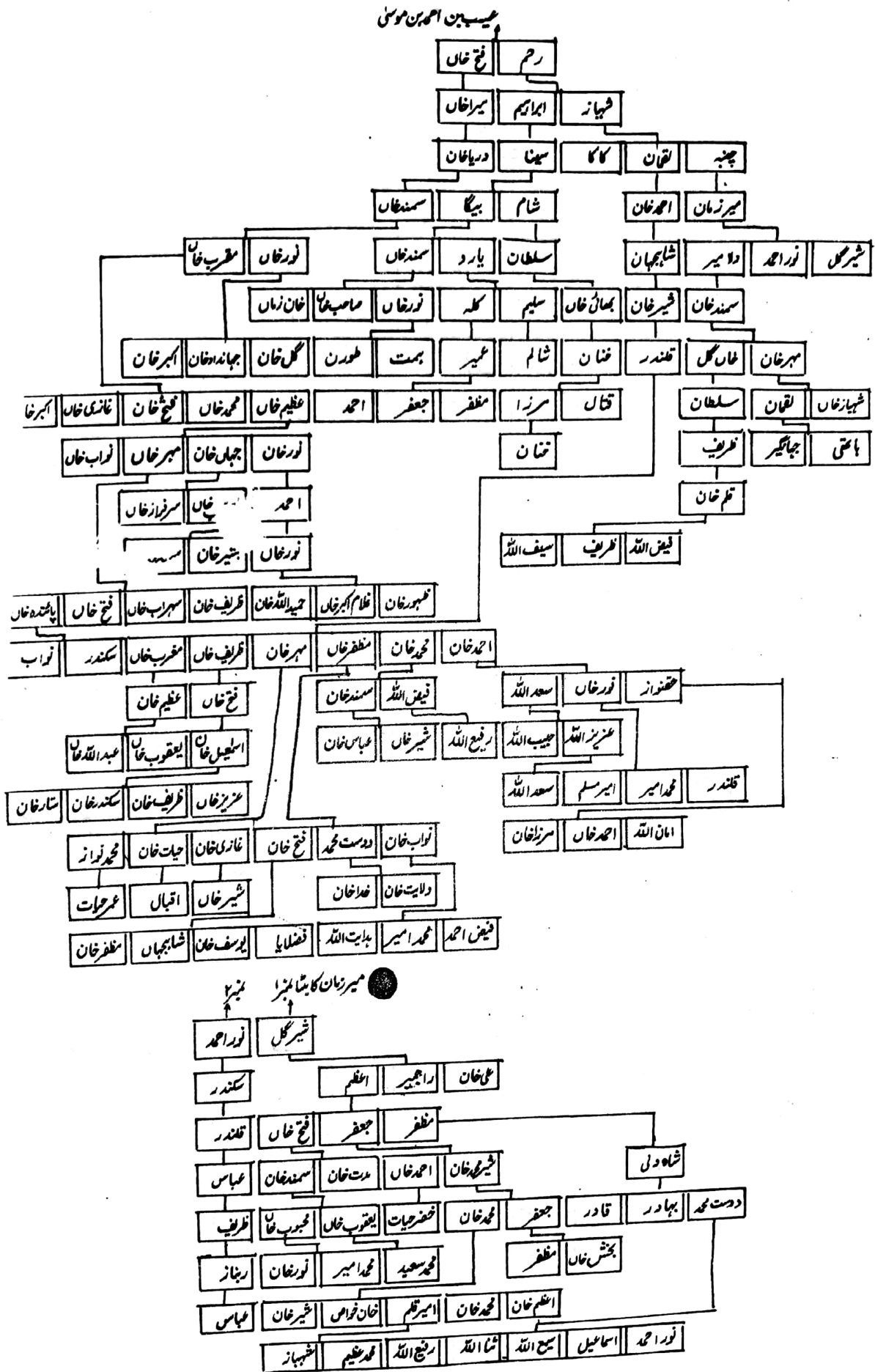
موسےٰ خیل کی ذیلی شاخ خنجری خیل کا شجرہ نسب

سرہنگ قبیلے کی ذیلی شاخ عالم خیل کا شجرہ نسب

بلوخیل کی ذیلی شاخ زادے خیل قبیلے کا شجرہ نسب

شجرۂ نسب وتہ خیل
درجھہ
وتہ
نور خان کالا | دریا خان | بوری خان | سینہ
سرمست خان | قاسم خان | بہادل خان | مرزا علی خان | چندو خان
سونا خان | لوئی | خان زمان خان | تیمور خان | سالار خان | گلشن خان | منگل خان | مواز خان | علی خان | ہزارہ خان | لال خان | علی بیگ | گلا خان
دلیل خان | گلا خان | پہاڑ خان | خلیل | شمشیر | غفور | گلزار | شادی
نور خان | ایاز خان | مواز خان | خدا یار | امیر خان | شمشیر | نواب خان | دلا میر | الموں | علی | میاں خان | خان زمان
ہاتھی خان | عالم خان | بینہ خان | محمد خان | احمد خان | شاہولی | خان محمد | محمد اعظم | طرہ باز خان | عزت خان | مددا عزر? | سہراب خان | علی | سعید خان
علی خان | سرفراز خان | حسن خان | شیر محمد | دلاس خان | سلطان | اشرف | زمان | اللہ داد | نواب | گل باز خان | پٹرول? | خان محمد | نور خان
محمد خان | اکبر خان | مقرب خان | گل خان | سلطان | محمد نواز | رب نواز | حق نواز | عطا محمد | صدر | حبیب | شیر خان | مقرب
یعقوب خان | اسلم خان | ایوب خان | اشرف | محمد نواز | محمد خان | شیر محمد | اقبال | نور خان | عمر حیات | رب نواز
خان زمان
سینہ کا بیٹا نمبر۲ چندو خان
تندر خان | ذلہ خان
غفور خان | روشن خان | میرا خان | پہاڑ خان | خان | صاحب خان | دورہ خان
راج میر خان | شمون خان | ادلیا | پہلوان | پہاڑ خان | محمد خان | نور خان | منگل خان
خان زمان | عالم خان | فقیرا خان | مقرب | نیک نام | فتح خان | ہمایوں | منتظم | مجیب
شاہ عالم | انور | خلیل | فتح خان | دلیل | سلطان | خلیل | نصیر
سلطان احمد | حسین | امیر
موسیٰ خان | مراد | علی خان | حسن خان
محمد خان | طرباز خان
محمد خان کا بیٹا نمبر۱ شیر محمد خان
صفیل خان | سرور خان
سلطان سکندر خان | فیض اللہ خان
قدرت اللہ خان
نور خان کا بیٹا نمبر۳ بہادر خان
مراد | شیر شاہ
دوست محمد
ملنگ
دلہ
شہزاد
مواز | شاہنواز
رستم
شاہولی کا بیٹا نمبر۱ سلطان
عالم خان | احمد خان | محمد خان
نصراللہ خان | عزیز اللہ خان | حفیظ اللہ خان | ربیع اللہ خان | محمد اکبر | یونس خان | عبدالرحمان | محمد احمد? | محمد صفدر
طاہر سلطان
طرہ باز کا بیٹا نمبر۲ سہراب خان
ایوب | یعقوب
شادی کا بیٹا نمبر۱ علی
باہی? | عمر خان

شجرۂ نسب وَتّہ خیل
وتہ کا بیٹا بوری خان
شکر خان
نامک خان
بهدر خان
فضل خان
نذر بیگ
بابر خان
مہانہ
اعظم
خان زمان
کلا خان
گل بیگ
محمد
مہر خان
گھیبہ خان
لال بیگ
شیر خان
بہادر
آذر
شیخ
تادت
شادی بیگ
سرمدار
نور خان
ابراہیم
چوڑہ خان
مہانہ
محمد یار
اشرف
جعفر
شاہو
ردزی
دلیل خان
منظفر
فتح خان
شاہو خان
عظیم خان
خان بیگ
حسن
اکبر
خدا یار
برخوردار
شاہنواز
مہر خان
میاں خان
فتح خان
مہر خان
بدر خان
چمن
میران خان
شیرا خان
جہانو خان
گل خان
آدم خان
اکبر خان
بہادر
آذر
اگر
دلیل
گل باز
توازن
گلمن
اعظم
خان محمد
نور خان
محمد خان
احمد خان
عالم خان
مہر خان
چندن
اشفر
علی خان
فتح خان
غازی
محمد خان
احمد خان
تراب خان
منیر خان
سلطان
رستم
جہانگیر
بہادر خان
علی خان
عالم خان
ربنواز
رستم خان
محمد خان
نور خان
احمد خان
مہر خان
محمد سعید
عظیم خان
نسیم خان
محمد زمان
خان منیر
عبدالرحمان
عبیدالرحمان
رمضان خان
اسلم خان
اکرم خان
مظفر خان
وارث خان
شکر خان کا بیٹا نمبر ۲ نذر بیگ
شیر خان
مانجھی
ہمایوں خان
عظمت خان
احمد خان
مہر خان کا بیٹا نمبر ۲ چوڑہ خان
علی خان
اعظم خان
محمد خان
احمد خان
احمد خان
اجمیر
رستم
عطا محمد
فضل خان کا بیٹا نمبر ۲ لال بیگ
خلیل
سمند
شاہ عالم
خنان
شاہجہان
اسماعیل
نفر علی
خانن
نور خان
فتح خان
محمد عظیم خان
مظفر خان
نور خان
شاہ ولی خان
انور خان
احمد خان
مانی خان
ایوب
اورنگزیب
عبدالقیوم
عبدالروف
سردار
محمد عظیم خان
محمد نسیم خان
ایوب خان
گھیبہ خان کا بیٹا نمبر ۱ مہانہ
برخوردار
سلطان
معظم
نامک خان کا بیٹا نمبر ۲ مہانہ
محمد
پانتے
غلام حسین

شجرہ نسب بہرام خیل

بہرام خان

صید خان، حاجی خان، عمر خان

دیلو خان، حیلو، یارت، محمد خان، بوستان، توران، فتح خان

عمر خان، ممیز خان، کمال، قلندر خان، سرمو، نیاز علی، ذلہ خان، اکبر خان، سلطان، احمد خان، شیر خان

حیات اللہ، احمد خان، محمد خان، خان زمان، خان بیگ، عباس، کزاک خان، امیر خان، خان محمد، ممیز، سرور خان، نور خان، خدا یار، حسن خان

حبیب اللہ، مسند خان، حسین خان، نصیر خان، غازی خان، ذوالفقار، حسن خان، حسین خان، مہرباد، توربار خان، غلام محمد، محمد خان

عمر خان، دلیل، شاہ بولی، عمر خان، عالم خان، محمد خان، خان بیگ

غلام محمد، غلام احمد

صید خان کا بیٹا نمبر ۴ محمد خان

پہلوان

غلام احمد

صید خان کا بیٹا نمبر ۵ بوستان

سوان

جہانگیر، جہان، مہر خان، خلیل، حاجی

بہرام خان بیٹا نمبر ۳ عمر خان

ستار خان، عزت خان

حاجی خان، صاحب قوم، گلا خان

نیک نام

فتح خان

مہر خان، عباس، نور خان

ابراہیم، دریس خان، سلطان

پیر ایئ، مہدی، ہمایوں، فتح خان

دھنائی، عطائی، غلام محمد، شمشیر خان، مہر خان، عالم خان، نور خان

محمد اعظم، احمد خان، گورنگ خان، ریناز، عنایت اللہ، نور خان

ربنواز، فرمان خان، شیر گل

بھائی خان، خان زمان، مہر خان

گل خان، شجہان

فتح خان

محمد عظیم، محمد نواز

عبدالکریم، شاہجہان

خان بیگ کا بیٹا خان زمان

محمد نواز، حق نواز، ربنواز، احمد نواز

عبدالصمد، عبدالمالک، عبدالرشید

دیلو، گلون خان

حاجی، شہباز علی، شادی بیگ، فتح خان

خان بیگ، گل بیگ، عالم خان

حیلو کا بیٹا نمبر ۲ قلندر خان

حسن خان

عثمان، فتح خان، حاکم خان، محمد حیات

توران کا بیٹا نمبر ۲ سلطان

حلیم، دلیل خان، حسن خان

غلام محمد، سلطان خان، محمد خان، احمد خان، فتح خان

امیر احمد خان، نصیر احمد خان، نذیر احمد خان، اجمل خان، محمد اکرم خان

سکندر خان، دوست محمد، عطا محمد خان، امیر خان

یارن کا بیٹا نمبر ۳ ذلہ خان

جالندھر خان، سکندر خان

محمد خان، غلام محمد

غلام محمد، احمد خان

نیاز علی کا بیٹے نمبر ۱-۲ امیر خان ــ خان محمد

احمد خان، محمد خان، اکبر خان، خلیل خان، مقرب خان

محمد نواز خان، محمد حسین خان، محمد حیات، غلام حیدر، خادم حسین، ربنماز خان، عظیم خان

محمد انور، غلام سرور، فیض محمد

شجرہ نسب زادے خیل

بقیہ اگلے صفحہ پر

بقیہ زادے خیل
صیدخان کا بیٹا نمبر ۵ جہان خان
وحشانی خان
قتال خان
محمد خان
شیر خان
مہر خان
سرور خان
اشرف خان
سکندر خان
لنگر خان
محمد عظیم خان
حلیم خان
محمد خان
شاہنواز
احمد خان
محمد عظیم
شاہ ولی
سلطان
نور خان
غلام محمد
دلباغ
احمد خان
دوست محمد
عطا اللہ
خان اللہ
محمد زمان
محمد خان
احمد خان
محمد اکبر
محمد اسلم
محمد اقبال
منظفر خان
محمد اکبر خان
غلام حسین
غلام محمد
غلام محمد خان
عطا محمد
دوست محمد
شیر بہادر
عمر حیات
حنیف اللہ
تاج محمد
غلام قاسم
محمد اسلم
حیات اللہ
مظفر اللہ
سردار
بلوخان کا بیٹا نمبر ۲ خان بیگ خان
فاضل خان
شہباز خان
مداد خان
سلیم خان
حبیب خان
بہادر خان
وزیر خان
غلام محمد خان
قطب خان
فتح خان
توکل خان
جہانداد خان
نواب
یارگل خان
اکبر خان
شیر خان
مہر خان
سلطان خان
احمد خان
محمد حیات
فتح خان
گل باز خان
مہرباز خان
عباس خان
عباس خان
ترباز خان
محمد اقبال خان
محمد اسلم خان
بلند خان
سمند خان
سکندر خان
عیسب خان
مواز خان
ذوالفقار خان
اکبر خان
منظفر خان
سرفراز خان
شہباز خان
شہنواز خان
اللہ خان
محمد اعظم خان
سلیمان خان
شہباز خان
محمد حیات خان
محمد حنیف خان
محمد عظیم خان
مواد خان
احمد خان
مسعود الحسن
جمال عبدالناصر
محمود الحسن خان
ضیاء الحسن
فضل الرحمان
حبیب الرحمان
حفیظ الرحمان
عبید الرحمان خان
محمد امیر خان
شہباز خان
گل باز خان
نور خان
منظفر خان
صید خان
محمد شیر خان
احمد شیر خان
محمد خان
احمد خان
یونس خان

شجرہ نسب شہباز خیل

بقیہ شہباز خیل
شاہ عالم کا بیٹا نمبر ۲ بگا
روزی
مواز
محمد یار
گل خان
فتح خان
حسن خان
سرور خان
سلطان خان
شیر خان
زمان خان
محمد نواز
محمد امیر
وزیر
جہانگیر
مہر خان
محمد اسلم
محمد اکرم
محمد افضل خان
مہر خان
محمد اقبال
پہلوان
جہانگیر
امیر اکبر
ذکاءاللہ
احسان اللہ
حبیب اللہ
شفاءاللہ
ظفراللہ
حاکم خان
امیر عبداللہ
سردار
رفیع اللہ
رتاس خان
شاہباز خان کا بیٹا نمبر ۷ شاہو خان
یار محمد خان
سکندر
حبیب خان
شیر خان
نور خان
یہ دونوں بھائی موچھ میں رہائش پذیر ہوئے تھے۔
جعفر خان
ظریف خان
مقرب خان
عبدالغفور
گولا خان
کامران خان
محمد افضل
محمد خان
احمد خان
مقرب خان
فتح خان
محمد خان
محمد خان
احمد خان
اسماعیل خان
ابراہیم خان
محمد خان
عبدالرحمان
شیر علی خان
محمد ایوب
محمد خان
احمد خان
گل خان
محمد خان
شاہجہان
خان شمشیر خان
مقرب خان
شیر خان
محمد حیات
محمد نواز
شاہنواز
نور خان
مہر خان
محمد اسلم

بقیہ شہباز خیل
ارسلا کے بیٹے توران نمبر۲ بازگل نمبر۳ مہرخان
محمد خان
احمد خان
عظیم خان
محمد زمان
عبداللہ
امیر خان
گل میر خان
جہانگیر خان
محمد خان
غلام حسن
محمد نواز
خان بیگ
عباس خان
غازی خان
عمر خان
ممتع خان
احمد خان
مہر خان
ارسلا خان
خانزمان خان
شیر خان
اکبر خان
وزیر خان
فہامیق خان
پہلوزخان کا بیٹا نمبر۱ نورشاہ نمبر۲ خان گل نمبر۳ بازگل
نیاز علی
دلیل
نوشیر
بہادر
محمد خان
مہر خان
شیر خان
عظیم خان
احمد خان
محمد خان
شیر گل خان
نور خان
فتح خان
شاہولی
مہرباز خان
سمند خان
سربلند خان
عمر خان
جہان
شہباز
مواز
محمد نواز خان
مقدار خان
عالم خان
محمد اکبر خان
رستم خان
دوست محمد
احمد خان
شیر شاہ
مہر شاہ
بلند
گل کمند
شیر خان
شہباز خان کا بیٹا نمبر۱ شاہ عالم خان
وزیر خان
بیگا
دصنائی
گولا خان
فدا یار خان
ہندال خان
قتال خان
نور محمد
لال خان
عباس خان
محمد یار خان
مو... خان
سلطان خان
مہر خان
مواز خان
ایاز خان
عمر خان
خانزمان
احمد خان
محمد خان
دصنائی خان
دلیل
سمند خان
ہیبت خان
عالم خان
شاہولی خان
خلیل
محمد امیر
ابراہیم خان
غلام خواجہ
اشرف
غلام حسن
حلیم
مظفر
عبداللہ
عبدالرحمان
مواز
امان اللہ
قاسم
عبدالستار
عباس
عبدالکریم
مہر خان
انور خان
عطاء اللہ خان
اسلم خان
ثناء اللہ
امان اللہ
عبدالرحمان
فضل الرحمان
عبداللہ خان
محمد ایوب خان
عنایت اللہ خان
شیر منز خان
عبدالمجید
عبدالغفور
ثناء اللہ
امان اللہ
اورنگزیب
جاوید
جہانگیر
ولاسہ خان
غازی خان
برخوردار
مقرب خان
نور خان
خانزمان
حمید اللہ
حیات اللہ
ظفر اللہ
ذکاء اللہ
وزیر خان
فتح خان
محمد حیات
فیض اللہ
غازی
عبدالکریم
یوسف
جہان خان
ارسلا خان
مہر خان
امیر قلم خان
ممتاز خان
محمد حیات
امیر قلم
جہان خان
قاسم خان
احمد خان
سردار
عبداللہ
حبیب اللہ
وسیع اللہ
انعام اللہ
کفایت اللہ
گل حمید
حفیظ الرحمان
عظمت اللہ
ہدایت اللہ
عطاء اللہ
عنایت اللہ
عطاء اللہ خان
خلاص خان
مقرب خان
غلام عباس خان
محمد خان
سکندر خان
وزیر
جہانگیر
محمد امیر
ہندال خان
محمد انور خان
بقیہ اگلے صفحہ پر

عیسےٰ خیل قبیلے کا شجرہ

بقیہ اگلے صفحہ پر

بقیہ عیسے خیل کا شجرہ

تعارف ادارۂ تحقیقات نسب

ادارۂ تحقیقات نسب کے قیام کا مقصد پاکستان میں بسنے والے تمام قبائل کی تاریخ حسب و نسب اور تہذیب و تمدن پر تحقیقات کرنا ہے۔ اس ادارہ کے تحت مندرجہ ذیل قبائل پر تحقیقات کا کام وسیع پیمانے پر جاری ہے اور انشاء اللہ عنقریب اسے کتابی شکل دے دی جائے گی۔

۱۔ اعوان قبیلے کی داستان
۲۔ راجپوت قبیلے کی داستان
۳۔ مُغل قبیلے کی داستان
۴۔ بلوچ قبیلے کی داستان
۵۔ گُجر قبیلے کی داستان

متذکرہ بالا قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے درخواست ہے کہ کہ وہ اپنے اپنے قبیلے کی مکمل مستند اور مربوط تاریخ مرتب کرنے کے لیئے ادارہ ھذا سے تعاون فرمائیں اور اپنے خاندانی مسوّدات و شجرہ ہائے نسب ارسال کر کے درست سمت میں ہماری راہنمائی فرمائیں

خط و کتابت کا پتہ

ادارۂ تحقیقات نسب

۴۳۵۔ بی فیصل ٹاؤن، لاہور